3
زندہ قائدِ اعظم
منظور حسین عباسی
چالیس کروڑ غلاموں کو آزاد کرانے والی عظیم ہستی کے بارے میں
غیر ملکی معاصرین، ادیبوں، دانشوروں، سیاستدانوں اور تحریکِ آزادی
کے کارکنوں کے چشم دید، جیتے جاگتے واقعات کا انوکھا مجموعہ

## کتابی انقلاب کا پیامبر

* اصیل کبوتر کے نشان والی شاہکار عوامی کتب کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کا کاپی رائٹ ہمیشہ بحق مصنف محفوظ رہتا ہے۔
* مصنف کو اظہارِ خیال کی مکمل آزادی ہے، تاہم ادارے کا مصنف سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
* دنیا بھر میں ارزاں ترین، شاہکار عوامی کتب ہر پہلی اور پندرہ تاریخ کو باقاعدگی سے شائع ہوتی ہیں۔

زیرِ ادارت: ادارے: سید قاسم محمود

• شاہکار عوامی کتب پاکستان کے ہر کتب فروش اور نیوز ایجنٹ سے دستیاب ہو سکتی ہیں اگر ان کے حصول میں دقت پیش آئے تو آپ کم از کم -/۲۵ روپے بذریعہ بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر پیشگی جمع کرا کر "شاہکار بک کلب" کی مستقل رکنیت حاصل کیجئے۔ جمع شدہ پیشگی رقم کے حساب میں سے ہر پہلی تاریخ کو مطلوبہ کتب گھر بیٹھے بذریعہ رجسٹری حاصل کیجئے۔

زیرِ انتظام: بشیر احمد وسیم

• ناشر: سید قاسم محمود • طابع: ریاض حسین الجدہ پرنٹرز، لاہور

مکتبہ شاہکار

۱۷۵۴ یوسف مارکیٹ

چوک اردو بازار لاہور

ٹیلیفون ۳۱۳۱۳ تار: "شاہکار"
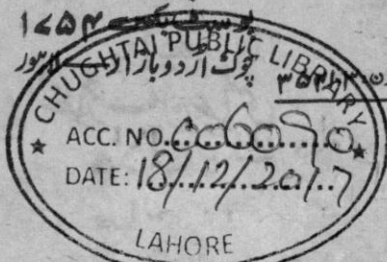
# پیش لفظ

قائداعظم کے ساتھ مختلف لوگوں کا مختلف حیثیتوں سے تعلق رہا ہے۔ اُن لوگوں
نے قائداعظم کی شخصیت و کردار سے متعلق بہت سی کتابیں اور بے شمار مضامین لکھے ہیں۔ اس
کتاب میں ان کے بیانات میں سے صرف وہی اقتباسات لیے گئے ہیں جو قائداعظم کی ایک
زندہ اور متحرک تصویر پیش کرنے میں معاون ثابت ہوسکیں۔ اس سلسلے میں تمام مطبوعہ مواد
سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہر اقتباس کا ایک مناسب عنوان بھی دیا گیا ہے
تاکہ واقعات کو یاد رکھنے میں آسانی ہو۔ ہر اقتباس اپنی جگہ مکمل ہے۔ اس لیے اِن کی ترتیب
میں کسی تسلسل کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تاکہ یہ کتاب اگر طالب علم کی مطالعہ کی میز پر ہو تو کسی بھی وقت،
کہیں سے بھی کھولنے پر، سامنے آنے والا صفحہ اس کے لیے بصیرت کا موجب بن سکے۔ اگر
ڈرائنگ روم میں یہ کتاب موجود ہو تو مہمان، میزبان کے انتظار میں کسی مصوّر رسالے
کی ورق گردانی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے معمارِ پاکستان کی شخصیت کے کسی اہم
پہلو سے آشنا ہو سکے اور بے تکلف دوست مل بیٹھیں تو اس بے داغ شخصیت کو
موضوعِ سخن بنا سکیں۔

اِن اقتباسات میں بیشتر چشم دید واقعات ہیں۔ ہر واقعہ کو راوی کے حوالے سے
اُسی کے الفاظ میں درج کیا گیا ہے اس اعتبار سے ہر واقعہ معتبر و مستند ہے بعض واقعات
دو اصحاب نے اپنی اپنی حیثیت اور وقوعہ میں اپنی شرکت کے لحاظ سے بیان کئے
ہیں لیکن حقائق میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوا۔ کچھ واقعات ایسے ہیں جو کسی خاص
راوی سے منسوب نہیں ہیں۔ یہ واقعات وہ ہیں جو قائداعظم کی زندگی ہی میں زبانِ
زدِ خاص و عام ہو گئے تھے اور بعد میں ہر مصنّف اور مقرر نے ان کو بیان کیا ایسے
واقعات کو کسی ایک منتخب مصنّف کے حوالے سے درج کیا گیا ہے۔ ان میں سے

کچھ بیانات ایسے بھی ہیں جو قائد اعظم کی پوری شخصیت کو محیط ہیں۔
کوشش کی گئی ہے کہ قائد اعظم اپنی زندگی کے تمام دوائر میں اپنی پوری توانائیو
کے ساتھ جیتے جاگتے نظر آئیں —— بچپن سے آخر وقت تک اور زندگی کے تمام گوشوں
سمیت اس لحاظ سے بسلسلہ واقعات قائد اعظم کی یہ مکمل سوانح عمری اپنی نوعیت کی
منفرد کوشش ہے چونکہ کام خاصا پھیل گیا ہے اس لیے اس کتاب کو دو حصوں میں
پیش کیا جا رہا ہے۔ دوسرا حصہ حسب ذیل مندرجات پر مشتمل ہوگا۔

ا۔ بقیہ واقعات

ب۔ تین ضمیمے۔

(۱) کتابیات کے بارے میں تشریحی نوٹ، تاکہ اصل کتاب کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو۔
(۱۱) راویوں کے بارے میں معلومات تاکہ ان کے بیانات کو ان کے تعلق کی روشنی میں
پڑھا جائے۔
(۱۱۱) موضوعات کا مکمل و مبسوط اشاریہ تاکہ ایک ہی موضوع کے تحت تمام واقعات
یکجا دیکھے جا سکیں اور خصوصاً طلبہ کو قائد اعظم کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھنے میں
آسانی رہے۔

قائد اعظم کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا —— حصول پاکستان۔ انہوں نے اپنی
ساری زندگی اسی ایک مشن کے لیے ایسی یکسوئی اور پامردی کے ساتھ بسر کی کہ تحریک حصول
پاکستان اور حیات بانی پاکستان لازم و ملزوم نظر آتی ہیں۔ ایک دوسرے سے الگ نہیں
کیا جا سکتا۔ حیات قائد اعظم کا مطالعہ بھی دراصل تقسیم بر اعظیم کا مطالعہ ہے اس لحاظ سے
اس کتاب میں ایک شخص کے سوانحی واقعات ہی نہیں، ایک قوم جدوجہد آزادی کی داستان
کے ٹکڑے بھی ہیں اور ایک ملک کے ظہور میں آنے کی تاریخ کے مختلف مراحل بھی، بہرحال
روشنی کا وہ مینار جسے قائد اعظم کہتے ہیں۔ اگر اس کتاب میں اپنی پوری آب و تاب کے
ساتھ موجود ہے تو میں سمجھوں گا کہ مؤلف کی حیثیت سے میری کوشش کامیاب رہی ہے۔

منظور حسین عباسی

## لڑکپن کی تصویر

ھکیٹر بولا یتھو

اُن کی سب سے پہلی تصویر میں ہمیں ایک دبلا پتلا لڑکا نظر آتا ہے جس کے گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں اور ہونٹ موٹے ہیں۔ لڑکپن کی اس تصویر میں آنکھوں سے قوت و ذہانت زیادہ ظاہر ہوتی ہے، اور حرارت کم۔ ہاتھ نازک اور خوبصورت ہیں۔ بعد میں اِن ہاتھوں کو وہ اکثر ایک اداکار کی سی چابک دستی سے چلایا کرتے اور یہ کیفیت اُس وقت تک باقی رہی جب وہ بوڑھے ہو چکے اور وہ خوبصورت ہاتھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔

## اچھے جرنیل

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

قائداعظم کی شخصیت تو اتنی بلند ہے کہ اُس کے ایک پہلو کے بارے میں بتلانا خاصہ مشکل ہے۔ اُن کی دیانت، امانت، صداقت ہر بات اپنی حد تک مکمل ہے مثلاً مسلم لیگ کے ریکارڈ میں سے ایسی چٹیں بھی ملی ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے حسابات درج ہیں۔ اگر کسی جلسے میں چائے پلائی گئی تو اُس کا حساب بھی لکھا ہوا ہے۔ اِس بات سے اندازہ لگا لیجیے کہ قائداعظم کی رہبری اور رہنمائی میں مسلم لیگ کے کارکنان اور رہنماؤں میں دیانت اور امانت کا کیسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ قائداعظم کی سب سے بڑی صفت اُن کی حقیقت پسندی ہے۔ وہ قوم کی صحیح قوت کو سمجھتے تھے۔ وہ ایسے جرنیل نہیں تھے جو فوج کی صحیح حالت اور قوت کو سمجھے بغیر اُسے لڑوا دیں اور مروا دیں۔ لیڈر کا سب سے بڑا کمال یہ ہوتا ہے کہ کم قوت سے بڑا مقصد حاصل کرے۔ قائداعظم کا کمال یہی تھا کہ ہر موقع پر اتنی ہی قوت استعمال کرتے جتنی اُس کی ضرورت ہوتی۔ انھیں جذبات پر بڑا قابو تھا۔ اُن کی بے لاگ منطق سے ہی گاندھی جی کے بھرم میں فرق آ گیا تھا۔

## ایک لائقِ احترام خواہش

فیروز خان نون

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ جن دِنوں وہ بمبئی میں کانگرس پارٹی کے ممبر تھے ان کے پاس چند ہندو اور مسلمان احباب آئے اور انھیں بمبئی کانگرس پارٹی کی صدارت کے لیے کھڑے ہونے

کا مشورہ دیا۔ قائداعظم کو جب یہ معلوم ہوا کہ باقاعدہ انتخابات ہوں گے، تو انھوں نے کہا: جب دوسرے اُمیدوار کھڑے ہیں تو انھیں منتخب ہونے دیجیے۔" چند ہی دنوں بعد پارٹی کے تمام دھڑے قائد اعظم کے پاس پہنچے اور مکمل اتفاقِ رائے سے انھیں اپنا صدر منتخب کرلیا۔ ایسے مناسب لوگوں کو عوام کی خدمت گزاری کا موقع دینے میں اور اُن کی حیثیت ایک اعزاز ہوتی ہے۔ میں نے قائداعظم سے کہا کہ مجھے کوئی عہدہ نہیں چاہیے۔ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ عوام کی خدمت گزاری کے لیے عہدہ طلب کرنا، ایک لائقِ احترام خواہش ہے اور اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔"

## ایک بے تکلف دوست اور ایک سعادتمند شاگرد

بہادر یار جنگ مرحوم قائداعظم کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ صرف انھی سے اُن کے مراسم بہت بے تکلفانہ تھے۔ وہ جب بھی ان کے یہاں قیام کرتے تو یہ دونوں شخصیتیں ٹھیٹ دوستانہ انداز میں قومی اور سیاسی مسائل پر غور کرتی تھیں۔ میں نے صرف یہی ایک شخص دیکھا جس سے صاحب ہمجولی کی طرح باتیں کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے بچپن کے ساتھی ہیں۔ جب آپس میں باتیں کرتے تو کئی مرتبہ قید و بند سے آزاد قہقہوں کی آواز سنائی دیتی —— بہادر یار جنگ کے علاوہ مسلم لیگ کے دوسرے بربرآوردہ اراکین مثال کے طور پر راجہ محمود آباد، آئی آئی چندریگر، مولانا زاہد حسین، نوابزادہ لیاقت علی خاں، نواب اسماعیل اور علی امام صاحب اکثر تشریف لاتے تھے لیکن صاحب اُن سے بالکل دفتری انداز میں پیش آتے۔ وہ بے تکلفی کہاں جو بہادر یار جنگ کے لیے مخصوص تھی۔

صاحب، لیاقت علی خاں سے اس طرح پیش آتے تھے جیسے وہ اُن کے سب سے ہونہار شاگرد ہیں اور خان صاحب بھی بڑے ادب اور بڑی سعادتمندی سے اُن کا ہر حکم سنتے اور بجا لاتے تھے۔ جب اُن کی طلبی ہوتی تو وہ مجھ سے کبھی کبھی پوچھ لیا کرتے تھے: "کہو آزاد! صاحب کا موڈ کیسا ہے؟" اُن کا جیسا موڈ ہوتا میں بتا دیا کرتا تھا۔ جب اس میں کوئی خرابی واقع ہو جاتی تو کوٹھی کے تمام در و دیوار کو فوراً پتہ چل جاتا تھا۔

## آوازِ دوست

مختار مسعود

بڑے آدمیوں کے بارے میں ایک غلط فہمی مجھے یہ بھی تھی کہ قدرت نے ان کے لیے اوصاف اور خوبیوں کی ایک علیحدہ فہرست بنا رکھی ہے۔ جسے عام آدمیوں کی دسترس سے بہت دور رکھا جاتا ہے قائدِاعظم کی ذات کا تجزیہ کیا تو یہ غلط فہمی بھی دُور ہو گئی۔ بڑے آدمی میں وہی عام، سادہ اور چھوٹی چھوٹی خوبیاں ہوتی ہیں، جن پر ہر شخص کا اختیار ہوتا ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ عام آدمی میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں اور خاص آدمیوں میں اِن خوبیوں کی روح اور اِن کا جوہر ہوتا ہے۔ قائدِاعظم کی جانی پہچانی ذات میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو سمجھ میں نہ آئے۔ شخصیت کے اعتبار سے وہ ایک سیدھے سادے آدمی تھے۔ اُن کی خاص خاص خوبیوں کی فہرست کچھ یوں بنے گی:-

عزم، عمل، دیانت، خطابت اور خود داری۔ اُن کا عزم وہ تھا جسے یقین محکم کہتے ہیں، اُن کے عمل کا نام عملِ پیہم تھا۔ اُن کی دیانت کو شاعر نے مشربِ ناب اور ان کی خطابت کو فنِ دلنوازی کہا ہے۔ اُن کی خود داری نظریہ خودی کا نمونہ تھی۔

## ایڈیٹر کا حق

کیمبل جانسن

میں جناح سے ملنے اُن کی قیام گاہ پر گیا۔ اُن کا دولت کدہ نمبر ۱۰ اورنگ زیب روڈ پر واقع ہے۔ مکان مسجد نما ہے اور سرخ و سیاہ مرصع کاری سے بھرپور۔ اُن کے پردے پر ہندوستان کا نقشہ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کو سبز رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ آج کی ملاقات میں وہ پہلے سے زیادہ پُرتپاک نظر آ رہے تھے۔ ہم نے پریس پر بہت کچھ اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے کہا "آل انڈیا ایڈیٹرز کانفرنس میں سب کے سب ہندو نمائندے تھے۔ ڈان کا جو میری ملکیت ہے صرف ایک مسلم نمائندہ شریک تھا۔ اگرچہ آپ یقین نہیں کریں گے لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں اس اخبار کی براہِ راست پالیسی میں حائل نہیں ہوا کیونکہ پالیسی کی ترتیب میں ایڈیٹر کا حق ہے اور یہ چیزیں اُسی کے دائرہ اختیار میں آتی ہیں، میں اس سے خوب واقف ہوں۔"

# صحافت کی آزادی

الطاف حسین

یہ واقعہ یاد کرکے میرا سر اظہار تشکر میں جھکتا اور احساس فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی میں ایک طویل گفتگو کے موقع پر انھوں نے میرے اخبار کے افتتاحیہ مقالوں میں آزادی رائے کی ضرورت پر زور دیا۔ مَیں نے ایک مضمون لکھا تھا جسے چھپے لفظوں میں خود قائداعظم پر اعتراض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس کا مطالعہ فرما چکے تھے۔ اُسی روز شام کو اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے صرف اِتنا کہا: "میں تمہارا مضمون پڑھ چکا ہوں"

کچھ دیر کے بعد اُن کی زبانِ مبارک سے وہ الفاظ نکلے جن کو میں تمام صحافت نگاروں کے لیے آزادی کا منشور سمجھتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا:

"کسی موضوع پر غور کرو اور اپنے دِل میں فیصلہ کرو۔ اگر تم اِس نتیجہ پر پہنچ چکے ہو کہ ایک خاص نظریہ یا اعتراض پیش کرنا ضروری ہے تو بالکل وہی لکھ ڈالو جو حقیقتاً تم نے محسوس کیا ہے۔ کبھی پس و پیش نہ کرو، اِس خیال سے کہ کوئی ناراض ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنے قائداعظم کی ناراضگی کی بھی پروا نہ کرو"

اِس سے زیادہ قدر و منزلت ہمارے پیشے کی اور کیا ہو سکتی ہے اور حقیقتاً ایک عظیم المرتبت ہستی ہی یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے۔

# پہلے کام پھر طعام

اصفہانی

محمد علی جناح دوسروں سے کام لینے میں سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بھی اتنا ہی رگیدتے تھے جتنا کہ دوسروں کو۔ اگر کچھ کرنا ہے تو اُسے جلدی کرنا چاہیے۔ اُن کے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہ تھا۔ کھانا، آرام اور نیند اِن سب کو اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اپنے کام کو آگے بڑھانے کا یہ جذبہ اور جوش ہی انھیں ٹھیک وقت پر کھانا کھانے یا آرام کرنے سے روکتا تھا، اور اِسی نے بعد کے سالوں میں اُن کی جسمانی قوت کو اتنی جلدی مضمحل کرنا شروع کر دیا کہ وہ اُسے بحال نہ کر سکے تھے۔

اپنے قدرتی طور پر کمزور جسم پر اِس طرح ناقابلِ برداشت بار ڈالنے سے بالخصوص اپنی زندگی کے چند آخری سالوں میں وہ آسانی سے دق کا شکار ہو گئے جس نے انھیں تقریباً قبر تک پہنچا دیا۔ مجھے یاد ہے کہ اُن کے ملازم آ کر انھیں دوپہر یا رات کے کھانے کو کہتے تھے۔ جب کہ وہ کسی مسئلہ پر بحث کر رہے ہوتے تھے۔ یا کوئی مسودہ یا خط لکھوا رہے ہوتے تھے۔ وہ اُن کی بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے بعض اوقات ان کی بہن فاطمہ جناح اپنے بھائی کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتیں اور آ کر کہتیں کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ بہت اخلاق سے جواب دیتے تھے کہ "بس چند منٹ اور" یا "جاؤ شروع کرو، میں ذرا دیر میں تمھارے ساتھ شریک ہو جاؤں گا"۔ انھیں پہلے اپنا کام کرنا ہوتا تھا اور بعد میں کھانے یا کسی اور چیز کا خیال کرنا۔

## نتیجہ

سیّد قاسم محمود

۱۹۷۰ء میں انتخابات کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کے ڈنکے بجائے تھے۔ مغربی پاکستان میں جناب بھٹو نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگایا تھا۔ دوسری جماعتیں اپنے اپنے منشور پر گامزن تھیں۔ ملک کو بچاؤ، ملک کو بچاؤ کی لمبی لمبی تقریریں ہو رہی تھیں۔ توڑ پھوڑ اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ عیدآئی تو ایک دوست مجھے اپنے تایا ابا سے ملانے کے لیے اُن کے گھر لے گیا جن کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ وہ تحریکِ پاکستان کے سرگرم کارکن رہے ہیں۔ یہی بابا اظہر حسین تھے۔ عمر اسّی سال سے کچھ اُوپر۔ چارپائی پر بیمار پڑے تھے اور دمے کی شکایت تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے کھانسی کا شدید دورہ پڑتا تھا۔

میرے دوست نے پوچھا: "اب آپ کا دمہ کیسا ہے؟"

بابا اظہر حسین نے تلملا کر کہا، "یہ دمہ دمہ کچھ نہیں ہے۔ یہ تو اندرونی روگ ہے جو تمھارے اِن راہنماؤں نے لگایا ہے۔ جو آپس کی چپقلش سے اتنی بڑی مملکت کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔ بنانے والے نے بنائی تھی، یہ بگاڑ رہے ہیں"۔

بڑے میاں کھانستے ہوئے اپنے بیمار وجود کو لے کر اُٹھے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

وہاں سے ایک سندوقچی لے کر آئے۔ تالا کھولا اور چند کاغذات نکالے۔" یہ رہے ثبوت۔ دیکھو۔ لدھیانے میں میری کتنی جائیداد تھی۔ شہری جائیداد، زرعی جائیداد۔ خدا پاک کی قسم میں نے اِس کے بدلے میں کچھ الاٹ نہیں کرایا۔ کچھ روپیہ نقد ضرور پاس تھا۔ اُس سے اپنا پُرانا کاروبار از سرِ نو شروع کیا اور صابن بنایا۔ دس سال دن رات محنت کی اور روپیہ جمع کر کے یہ مکان خریدا۔ اِس کے سوا میرے پاس کچھ اور ہو تو جیسی چاہو قسم لے لو۔۔۔ خدا پاک کی قسم اپنی اصل پونجی صرف دو ہیں۔ اس دنیا کے لیے پاکستان اور آخرت کے لیے یہ لفافہ۔"

انھوں نے ایک مختصر سا بند لفافہ مجھے تھما دیا جس کے اوپر لکھا ہوا تھا "اظہر حسین ولد ظفر حسین کا وصیت نامہ"۔ اُن کے اصرار پر میں نے لفافہ کھولا۔ ایک رقعے پر اُن کی تحریر تھی: "میری وصیت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ منسلکہ رسید قبر میں میرے سینے پر دِل کے پاس رکھ دی جائے"۔ منسلکہ رسید دس روپے کے منی آرڈر کی رسید تھی جس کے ایک طرف اظہر حسین کا لدھیانے کا پتہ لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف بیسویں صدی کے عظیم ترین سیاسی راہنما کے دستخط تھے: "ایم اے جناح" اور دستخط کے نیچے تاریخ تھی ۵/نومبر ۱۹۴۵ء۔

# جناح کیپ کا پہلا دن

اصفہانی

۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت پہلے عام انتخابات کے بعد از سرِ نو توانا مسلم لیگ کا پہلا عظیم الشان اجلاس۔ ۱۵/اکتوبر سے ۱۸/اکتوبر تک لکھنؤ میں منعقد ہُوا۔ اجلاس کی شان و شکوہ اور اُس کے لیے جو پُر تکلف انتظامات کیے گئے تھے۔ اُن کا سہرا راجہ صاحب محمود آباد کے سر ہے۔ انھوں نے باہر کے بہت سے شرکائے اجلاس کی میزبانی بھی ایسے طریقے سے کی جسے اُن کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے والے اب تک نہیں بھولے۔ اُس بڑے پنڈال کو جس میں کھلا اجلاس منعقد ہُوا دِل کش انداز میں سجایا گیا تھا۔ اپنے راہنما محمد علی جناح اور اُن کے سرکردہ پیروؤں کی تقریریں سننے کے لیے پچاس ہزار سے زائد لوگ جمع تھے۔

مسٹر جناح محمود آباد ہاؤس قیصر باغ میں مقیم تھے۔

ایک گھنٹہ پہلے راجہ صاحب، چوہدری خلیق الزماں اور مسٹر جناح کی قیام گاہ میں اُس دن کے پروگرام پر نظر ڈالنے کی غرض سے جمع تھے کہ نواب اسمٰعیل خاں بھی اُسی دیوان خانہ نما برآمدے میں ہمارے ساتھ آملے۔ وہ حسبِ معمول بالکل بے عیب لباس میں ملبوس تھے اور ایک سیاہ سموری ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔

مسٹر جناح نواب صاحب کی اِس ٹوپی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ کیا وہ اِسے تھوڑی دیر کے لیے دے سکتے ہیں۔ نواب صاحب نے اپنی روایتی خوش خلقی سے ٹوپی جناح صاحب کو دے دی اور اُن سے اِسے پہننے کی درخواست کی، صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ اُن پر یہ کیسی لگتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ مسٹر جناح نے اُسے پہن لیا اور انھوں نے دیکھا کہ ہم لوگ اس کی تعریف کر رہے ہیں تو وہ اُٹھ کر ساتھ کی خوابگاہ میں چلے گئے اور وہاں ایک قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہماری رائے کا محاسبہ کرنے لگے۔ دو منٹ بعد برآمدے میں واپس آئے۔ ہم میں سے کسی نے یہ تجویز کی کہ وہ یہ ٹوپی پہنے رہیں اور اسی طرح اجلاس میں جائیں۔ انھوں نے یہ تجویز مان لی اور ہم سب جلسے میں چلے گئے۔ مجھے وہ مجمع ابھی تک یاد ہے۔ مجھے لوگوں کے مسکراتے ہوئے چہرے اب تک نظر آتے ہیں اور وہ زور و شور کی تالیاں اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے جو مسٹر جناح کے داخل ہوتے وقت پنڈال کی فضا میں گونج اُٹھے اب بھی سنائی دیتے ہیں ڈائس، کرسیوں اور دریوں پر جتنے بھی لوگ بیٹھے تھے وہ سب کے سب سرگوشی کے انداز میں یا بآوازِ بلند اِس ٹوپی کی اور شیروانی کی جسے مسٹر جناح ایسی کسی تقریب میں پہلی مرتبہ زیب تن کیے ہوئے تھے تحسین و آفرین کرنے لگے۔ اِس سے انہیں خود بھی اُتنی ہی خوشی ہوئی جتنی باقی ہم سب کو۔

لکھنؤ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی شہر کے بہت سے نوجوان اور معمر لوگوں نے یہ ٹوپی پہننا شروع کر دی جو قائدِ اعظم کی بدولت راتوں رات مقبول ہو گئی تھی۔ کلاہ ساز بھی اِس مقبولیت سے فائدہ اُٹھانے میں پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے مختلف حیثیتوں کے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اصلی قراقلی اور نقلی کھال کی ٹوپیاں بنانا شروع کر دیں۔

ہندوستان کی مسلم قوم نے بہت ہی قلیل عرصے میں یہ ٹوپی اختیار کر لی۔ چنانچہ مدراس کے مسلمانوں میں بھی یہ ایسی ہی مقبول ہوئی جیسی کہ مردان کے مسلمانوں میں۔

## بمبئی کلاتھ ہاؤس میں دعوت

ولی بھائی

قصّہ یوں ہے کہ دہلی میں ایک ملاقات میں سیٹھ حاجی محمد صدیق مالک فرم بمبئے کلاتھ ہاؤس نے قائدِ اعظم سے عرض کی کہ اب کے آپ لاہور تشریف لاویں تو ہماری دُکان کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے زینت بخشیں۔ قائدِ اعظم جو مسلمانوں کی بہتری و بہبودی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ لاہور میں مسلمانوں کی اور وہ بھی میمن برادری کی ایک شایانِ شان دُوکان ہے۔ فرمانے لگے اب کے لاہور آؤں گا تو تمہاری دکان کو بھی ضرور دیکھوں گا۔

چنانچہ اپریل ۱۹۴۴ء میں جب وہ لاہور تشریف لائے تو ایک دن بارہ بجکر دس منٹ پر آنے کا وعدہ کیا۔۔ دکان کے مینجر مسٹر محمد عمر نے دس کروڑ مسلمانوں کے اِس عظیم الشان قائد کے استقبال کے لیے جو کچھ بھی ہو سکتا تھا کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ دکان زربفت کپڑوں سے دلہن کی طرح سجائی گئی۔ شاندار ٹی پارٹی کا انتظام کر لیا گیا اور بہت سے مسلمان تاجروں کو بھی بلا لیا گیا۔۔۔ دکان کے معائنہ کے دوران انھوں نے چائنہ کارڈ اور پیور ریشم کے کپڑے بھی پسند فرمائے جو ہم نے انھیں تحفۃً پیش کیے لیکن انہوں نے اِس طرح لینے سے انکار کر دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر اِن کپڑوں کا بِل پیش کر دیا جائے تو وہ لے لیں گے کیونکہ کپڑے اُن کو پسند ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ وہ انھیں بطور تحفہ قبول کر لیں مگر وہ کسی طرح نہ مانے۔ آخر بِل پیش کر دینے کے پختہ وعدہ پر انھوں نے کپڑے رکھ لیے۔ ہم نے خواہش ظاہر کی کہ ایک اچکن ہم سے سلوائی جائے۔ اس پر وہ اِس شرط پر رضامند ہوئے کہ درزی اچھا ہو اور ناپ ڈیوس روڈ پر ممدوٹ وِلا میں لیا جائے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے کیونکہ وہ دُکان پر ناپ نہیں دینا چاہتے تھے۔

دوسرے دن ماسٹر فیروز کو لے کر ہم قائدِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناپ سے فارغ ہو کر ہم واپس آنے لگے تو فرمایا کہ اچکن کے لیے حیدر آبادی بٹنوں کے جو سیٹ آتے ہیں وہ لے آنا۔ فرمائش کے مطابق دوسرے دِن صبح دس بجے کے قریب ہم ممدوٹ وِلا پہنچے۔ بٹنوں کے سیٹ جو ہم ساتھ لائے تھے اُن کو ایک نظر دیکھا اور چار سیٹ پسند کر کے الگ رکھ لیے۔ باقی واپس کر دیئے۔ کہنے لگے بِل لاؤ۔ بِل کے لیے وہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اصرار کر چکے تھے۔ لیکن چونکہ ہم بِل نہیں دینا چاہتے تھے۔ اِس لئے ٹال مٹول سے کام لیتے رہے،

مگر شاید وہ ہمارا مطلب سمجھ گئے تھے۔ آج بل کے لیے قدرے سخت اور درشت لہجے میں مطالبہ کیا۔ کہنے لگے "میں ادھار لینے کا عادی نہیں ہوں۔ بل لاؤ۔ ورنہ کپڑے واپس کردیئے جائیں گے۔" میں نے منیجر سے کہا کہ یہاں ٹال مٹول سے کام نہیں چلے گا۔ بل دینا ہی پڑے گا۔ ورنہ وہ سارے کپڑے لوٹا دیں گے۔ منیجر صاحب نے خاص رعایتی بل بنا کر دے دیا جو آدھے سے بھی کم قیمت پر مشتمل تھا۔ میں نے جاکر خدمت میں پیش کر دیا۔ جسے دیکھ کر مسکرائے، کہنے لگے "یہ بل مناسب نہیں ہے، تم نے قیمتیں جان بوجھ کر کم لگائی ہیں۔" میں نے کہا "منیجر صاحب نے آپ کو خاص رعایت کی ہوگی۔ کہنے لگے! رعایت کی اور بات ہے یہ رعایت سے مختلف صورت ہے۔ تم بل درست کرا کر لاؤ۔" یہ کہہ کر بل واپس کر دیا۔ اس کے بعد میں نے بٹن والے کا بل پیش کیا، جو دس روپے کی مالیت پر مشتمل تھا۔ بل دیکھ کر فرمایا "بھئی واہ۔ ایک سیٹ میں تو تین بٹن کم ہیں، لیکن بل تم نے پورے کا بنا دیا۔" یہ کہنا درست تھا۔ ایک سیٹ میں بٹن کم تھے۔ لیکن بل کو میں نے اس خیال سے دیکھا نہ تھا اور دکاندار نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ بہر حال اس بل کو درستی کے لیے واپس لانا پڑا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں کئی دنوں تک سوچتا رہا کہ آخر کیا بات ہے کہ ایک طرف تو سینکڑوں روپے کی رعایت کو بھی یہ شخص قبول نہیں کرتا اور دوسری جانب تین بٹنوں کے اٹھ آنے بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

## سیاست میں اخلاق

اصفہانی

۱۹۴۶ء کا اوائل تھا۔ بنگال قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہونے والے تھے۔ میں مسلم چیمبر آف کامرس کلکتہ کی طرف سے امیدوار تھا۔ نامزدگی کی تاریخ سے صرف دو دن پہلے چیمبر کے ایک رکن نے اپنی نامزدگی کے کاغذات داخل کر دیئے۔ چیمبر کے پرانے ارکان اور رہنما سب سٹپٹا گئے۔ انھوں نے اُسے سمجھایا بجھایا اور دباؤ بھی ڈالا۔ مگر اُس نے کاغذات واپس لینے سے انکار کر دیا۔

اُن دنوں قائداعظم کلکتے میں میرے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک شام ہم گاڑی میں سیر کر کے واپس آئے تو عبدالرحمٰن صدیقی جو ایک آزمودہ سیاستدان میرے دیرینہ دوست تھے۔ دوڑے دوڑے آئے اور بتایا کہ وہ میرے مخالف سے ملے تھے۔ بڑی لمبی چوڑی گفتگو کے بعد وہ شخص کاغذاتِ نامزدگی واپس لینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ شرط یہ رکھی ہے کہ جو دو صد پچاس روپے اس نے فیس کے داخل کیے ہیں وہ اُسے دے دیئے جائیں۔

قائدِ اعظم کسی اپنے خیال میں مستغرق تھے ۔انھوں نے بات نہ سنی ۔ صدیقی سے فرمایا کہ وہ اپنے الفاظ دہرائیں
صدیقی صاحب نے حکم کی تعمیل کی اور پھر کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح قائدِ اعظم کے ملامت بھرے الفاظ
ہمارے دل و دماغ میں پیوست ہو گئے :

"روپیہ ادا کرو گے ؟ ایک امیدوار کو بٹھانے کے لیے ، بالواسطہ رشوت ؟ نہیں ، کبھی نہیں ،
اُسے جا کر یہ کہہ دو کہ تمھاری پیشکش مسترد کر دی گئی ہے ۔حسن تمہارا مقابلہ کرے گا ۔"

عبدالرحمٰن صدیقی لمحہ بھر کے لیے تو بھونچکا ہو کر رہ گئے ۔پھر سنبھلے اور عرض کیا : "میں آپ کا پیغام پہنچا
دُوں گا ۔" اور چلے گئے ۔ ہم عقبی برآمدے میں چلے آئے اور آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔ قائدِ اعظم مجھ سے مخاطب ہوئے
اور فرمایا : "میرے بچے ! اُسے یہی جواب ملنا چاہیے تھا ۔ سیاست میں اخلاق کی پابندی نجی زندگی میں
اخلاقی اُصولوں پر کاربند رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ۔اس لیے کہ اگر تم پبلک زندگی
میں کسی غلط کام کا ارتکاب کرو گے تو اُن لوگوں کو نقصان پہنچاؤ گے جو تم پر اعتماد کرتے
ہیں ۔"

# اُردو میں تقریر

محمد حنیف آزاد

یہ بات بھی مارچ ۱۹۴۰ء کی ہے ۔ ہم لوگ بمبئی سے دہلی گئے ۔ یہاں سے ہم لوگوں کو لاہور جانا تھا ۔ اس
قیامِ دہلی کے دوران اُردو پارک دہلی میں مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں قائدِ اعظم ، مس فاطمہ
جناح اور سید مطلوب الحسن سیکرٹری صاحب کو لے کر اُردو پارک پہنچا تو دیکھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے ۔
قائدِ اعظم کو دیکھتے ہی فضا "قائدِ اعظم زندہ باد" کے نعروں سے گونج اُٹھی اور جلسہ شروع ہوا ۔ دہلی کے متعلق مشہور
ہے کہ ایک مرتبہ ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر اقبال عربیک کالج میں تشریف لائے تو سٹیج سیکرٹری نے اعلان فرمایا :
"اب ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر اقبال صاحب اپنا کلام پیش کریں گے ۔" تو دلّی والوں نے لفظ ترجمانِ حقیقت
از ترجمانِ حقیقت سنتے ہی زبردست قہقہہ لگایا تھا اور کافی دیر تک اِس پر چہ میگوئیاں ہوتی رہیں ۔ بالکل یہی
عالم اِس وقت قائدِ اعظم کا تھا ۔ کیونکہ انھیں یہاں اُردو میں تقریر کرنی تھی ۔ انھوں نے ایک گھنٹہ تقریر فرمائی

ایک مقام پر نہایت جوش میں فرمایا:

''ابھی دلی کا مسلمان فرماتا ہے کہ ہم محمد علی جناح کے حکم پر جان دینے کو سکتا ہے تو آج ہم تم کو فرماتا ہے کہ تم مسلم لیگ کے جھنڈے کو مضبوط پکڑنا ہے۔''

میں نے یہ فقرہ سنا تو گھبرا گیا۔ قائد اعظم نے اور نہ جانے کتنے ہی فقرے ایسے اُلٹے سیدھے کہے۔ لیکن واہ رے آپ کا اقبال کہ کیا مجال کہ کوئی ایک آواز بھی آپ کی تقریر پر بلند ہوئی ہو اور کسی نے کچھ ٹکڑا لگایا ہو یا پھبتی کسی ہو۔ تقریر ختم ہوئی۔ وہ بمشکل گاڑی تک پہنچے۔ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی ہارڈنگ روڈ نمبر ۱۰ اورنگزیب روڈ کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی مجھ سے نہ رہا گیا عرض کیا:

"عالیجاہ آپ نے آج کمال کر دیا۔ بہت زبردست تقریر فرمائی" اس پر قائدِ اعظم نے فرمایا:

"تم نے سنا۔ ابھی پبلک کیا بولتا ہے"

میں نے عرض کیا: "عالیجاہ دلی کے مسلمان واقعی آپ کے حکم پر جان دینے سے دریغ نہیں کریں گے"

صاحب نے فرمایا:

"ابھی اردو کا پریکٹس کرنے کو ہے" میں نے موقع پاکر عرض کیا:

"عالیجاہ ایک بات تقریر میں ہو گیا ہے" "WHAT" قائدِ اعظم نے دریافت فرمایا۔

میں نے عرض کیا: "عالیجاہ ایک جگہ آپ نے فرمایا۔ ابھی ہم دلی کے مسلمانوں کو فرماتا ہے"

"yes - yes" قائدِ اعظم نے اقرار کیا۔ میں نے عرض کیا: "یہ غلط ہے۔ آپ فرماتے۔ میں عرض کرتا ہوں یا کہتا ہوں یا حکم دیتا ہوں"

صاحب نے میرے بیان کردہ ہر ہر لفظ کو تقریباً دو دو بار دہرایا اور پھر فرمایا: "تھینک یو آزاد"

## سفارشی رقعہ

### محمد حنیف آزاد

قائد اعظم سے ملنے کے لیے رائے پور کا ایک اسٹیشن ماسٹر دہلی آیا۔ وہ اُن کے سیکرٹری سے ملا اور بتایا کہ "میں اپنی سروس کے سلسلے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں" سیکرٹری نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا "قائدِ اعظم ان دِنوں بہت مصروف ہیں۔ اگر وہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے وقت دیتے رہے تو پھر تحریک پاکستان

جیسا عظیم کام کس طرح سرانجام دے سکیں گے۔" سیکرٹری نے اُسے واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا لیکن اسٹیشن ماسٹر مجھ سے ملا اور بتایا "میں بڑی دُور سے آیا ہوں۔ قائدِ اعظم تک پہنچنے کے سلسلے میں تم ہی کچھ میری مدد کرو۔"

میں نے اُسی دن قائدِ اعظم سے تذکرہ کیا اور انھیں بتایا کہ "اس اسٹیشن ماسٹر کو محض اِس لیے ترقی نہیں دی جا رہی ہے کہ وہ مسلمان ہے حالانکہ وہ امتحان بھی پاس کر چکا ہے اور اصولی طور پر اُسے بی گریڈ ملنا چاہیئے۔"

قائدِ اعظم اُسی وقت اُس شخص سے ملے۔ جی آئی پی ریلوے کے ایک اعلیٰ انگریز عہدیدار کو رقعہ لکھ کر اِس دھاندلی کی طرف توجہ دلائی۔ فوری کارروائی ہوئی اور پندرہ منٹ کے اندر اندر اُسے بی گریڈ دیئے جانے کے احکامات جاری ہو گئے۔

اسٹیشن ماسٹر صاحب خوشی خوشی کاندھے پر پھلوں کا ٹوکرا لادے قائدِ اعظم کا شکریہ ادا کرنے دالیں آئے۔ مَیں نے جب قائدِ اعظم کو اطلاع دی تو انھوں نے محض اِس لیے ملنے سے انکار کر دیا کہ "مَیں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے کہے کہ مَیں آپ کا ممنون ہوں۔ یا آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

البتہ قائدِ اعظم نے اُسے یہ پیغام ضرور بھجوایا:

"خوب محنت سے کام کرو۔"

## حیدر آباد کا کشمیر سے تبادلہ — مشتاق احمد خان

ایک روز میں قائدِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حیدر آباد سے آئی ہوئی حالیہ خبروں اور حالات سے اُن کو آگاہ کیا، لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اُن میں سے بیشتر واقعات اور باتوں کا انھیں پہلے سے علم تھا۔ انھوں نے گفتگو کے دوران میں دفعتہً میری طرف مڑ کر کہا:

"بعض لوگ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ میں حیدر آباد کا کشمیر سے تبادلہ کر لوں۔ تمھاری اِس تبادلے کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

ظاہر ہے اس سوال کا جواب میرے لیے فی البدیہہ دینا آسان نہ تھا اور جواب بھی ایسا ہو جس

سے ہمارے آزادی کے دعوے پر زد نہ پڑے اور اظہار رائے میں وہ آداب بھی ملحوظ رہیں، جو ایک سربراہ مملکت کے لیے لازم ہیں۔ میں نے جواب دینے میں ذرا سا توقف کیا۔ اتنے میں قائد اعظم نے سیدھے ہاتھ کی انگشتِ شہادت اٹھا کر خود ہی جواب دے دیا:

"کیا تم بھیڑوں کا گلّہ ہو جو کیں ایک گلّے کا تبادلہ دوسرے گلّے سے کر لوں۔ یہ بتانا تمھارا کام ہے کہ تم اِس قسم کا تبادلہ چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر تم نہیں چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت تمھیں مجبور نہیں کر سکتی۔ میں تمھیں مجبور تو درکنار، دوستانہ ترغیب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔"

پھر ذرا سے توقف کے بعد کہا:

"میں جانتا ہوں اِس سوال کا جواب تم اپنی حکومت سے مشورے کیے بغیر نہیں دے سکتے اور نہ دینا چاہیے۔"

## ہم سب کو بہت کام کرنا ہے

مشتاق احمد خان

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظمؒ کی خدمت میں متعدد بار باریابی کا موقع ملا، یہ محض رسمی نہ تھی، بعض انتہائی اہم معاملات کے ضمن میں تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں۔ اُن کی تین باتوں نے بہت متاثر کیا: ایک تو اُن کی ذہانت اور پیچیدہ ترین معاملے کی تہ تک پہنچ جانے کی خداداد صلاحیت، دوسرے لگی لپٹی اور ذہنی تحفظات کے بغیر اظہارِ خیال بھی اُن کی شخصیت کا ایک مسلّم پہلو تھا۔ اُن سے گفتگو کرنے کے بعد مسئلہ زیرِ بحث پر اُن کی رائے کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا تھا۔ تیسری بات وقت کے بارے میں اُن کا شدید احساس تھا۔ وہ تضیعِ اوقات کو ایک ناقابلِ معافی جرم سمجھتے تھے۔ میں ایک انتہائی اہم کام کے ضمن میں اُن سے ملنے کے لیے کراچی سے زیارت پہنچا۔ کوئٹہ تک کا ہوائی سفر اور پھر کوئٹہ سے زیارت کا پہاڑی راستہ طے کر کے میں تھک چکا تھا۔ قائدِ اعظم نے غور سے میری بات سنی اور پانچ ہی منٹ میں اس کا قطعی جواب دیا اور مجھے رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔ چلتے وقت مجھ سے پوچھا: "کیا سیدھے واپس جاؤ گے؟"

میرے اثبات میں جواب دینے پر فرمایا: "ٹھیک ہے ہم سب کو بہت کام کرنا ہے۔ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

میرا ارادہ زیارت میں دو چار گھنٹے قیام کرنے کا تھا۔ یہ سن کر میں فوراً ہی واپس چلا آیا۔

## گورنر جنرل کے منصب کا خیال — کرنل الٰہی بخش

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب قائدِ اعظم علیل تھے اور کوئٹہ میں زیرِ علاج۔ جب ہم نے محسوس کیا کہ کوئٹہ میں اُن کا قیام خطرے سے خالی نہیں، تو میں نے اصرار کیا کہ وہ کراچی تشریف لے چلیں۔ لیکن ہر بار انھوں نے اس تجویز کو رد کر دیا۔ رات کو میں نے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ اِس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی۔ میرے اصرار پر انھوں نے بتایا قائدِ اعظم بیماری کی حالت میں گورنر جنرل ہاؤس میں واپس نہیں جانا چاہتے۔ پھر انھوں نے ملیر کے بارے میں میری رائے پوچھی۔ میں نے عرض کیا وہ بھی اچھی جگہ ہے۔ لیکن وہاں قیام کا مسئلہ ہوگا۔

ملیر میں نواب بہاولپور کی کوٹھی تھی جس میں قائدِ اعظم کے قیام کا اہتمام ہو سکتا تھا۔ اُن دنوں ولی عہد صاحب اس میں فروکش تھے۔ تاہم اُن سے کوٹھی خالی کرانا چنداں مشکل نہ تھا۔ طے یہ پایا کہ پہلے قائدِ اعظم کو رضا مند کر لیا جائے۔ پھر ولی عہد کے ساتھ نامہ و پیام ہوگا۔

اگلی صبح میں نے ملیر کا نام لیا۔ قائدِ اعظم نے رضا مندی ظاہر کر دی۔ چنانچہ اُسی وقت کراچی کے جی او سی میجر جنرل اکبر خاں کو فون پر اطلاع دی کہ وہ بہاولپور ہاؤس میں قائدِ اعظم کے قیام کا اہتمام کریں۔ اُسی شام انھوں نے خبر دی کہ ولی عہد صاحب کوٹھی خالی کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اُن کا خیال ہے کہ نواب صاحب سے بھی اجازت لے لی جائے کیونکہ وہ ۳۰ ستمبر کو لندن سے کراچی آ رہے ہیں۔

۲۸ اگست کی صبح میں نے قائدِ اعظم کی خدمت میں تمام صورتِ حال رکھی اور امیرِ بہاولپور کو تار ارسال کرنے کی اجازت چاہی۔ میری بات سن کر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور قدرے توقف کے بعد فرمایا:

"آپ نے سنا ہوگا پہلے زمانے میں جب کوئی وکیل ہائی کورٹ کا جج بن جاتا تو کلبوں اور نجی محفلوں میں جانا ترک کر دیتا تھا مبادا اُس کی غیر جانب داری پر اثر پڑے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے گورنر جنرل کے اعلیٰ منصب کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ اِس وقت ہم ضرورت مند ہیں لیکن میں اپنی ذات کی خاطر اس عظیم منصب کی عظمت کو خاک میں نہیں ملا سکتا۔ اِس لیے تار دینے کی اجازت دینے سے معذور ہوں۔"

# ایک سیر

محمد حنیف آزاد

غالباً ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ صبح میں نے گاڑی تیار کی اور ٹھیک پونے دس بجے گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ پر لایا۔ قائدِ اعظم حسبِ دستور ٹھیک پونے دس بجے کوٹھی سے نکلے۔ بیرے نے کار کا دروازہ کھولا۔ قائدِ اعظم کار میں بیٹھ گئے اور ملازمین کو گڈ مارننگ کہا۔ میں ابھی گاڑی کو کوٹھی سے باہر نکال بھی نہ پایا تھا کہ حکم ہوا: "GO TO OKHLA"۔ میں گھبرا گیا کہ یہ کون سے دفتر کا نام ہے۔ اگر صاحب کو کسی نئے دفتر یا نئی جگہ جانا ہوتا تھا۔ تو پہلے نوٹس ملتا تھا کہ ڈرائیور کو صحیح جگہ پہنچنے میں تکلیف نہ ہو۔ لیکن ایسا آج نہیں ہوا۔ میں جواب نہ دے پایا تھا کہ فرمایا! YOU dont KNOW OKHLA۔ مجھے خیال آیا کہ اوکھلے کا نام لے دوں کہ عالیجاہ وہ تو دریا پر ایک جگہ ہے۔ اِس عرصہ میں گاڑی گیٹ سے نکل چکی تھی اور میں حسبِ معمول گاڑی اسمبلی ہال کی طرف موڑنے ہی والا تھا کہ قائدِ اعظم نے فرمایا: "TURN LEFT" میں نے گاڑی فوراً بائیں موڑ دی اور حوصلہ کر کے عرض کیا: "عالیجاہ اوکھلا دریا پر چلوں"۔ فرمایا "YES" قائدِ اعظم نے سگار جلایا اور مجھے SHOW کا حکم دیا۔ گاڑی بہ نسبت اور دنوں کے آج آہستہ چل رہی تھی غالباً بیس میل کی رفتار سے۔ راستے میں واقع جگہوں کے نام قائدِ اعظم پوچھتے گئے۔ ہم ٹھیک ۲۵ منٹ میں اوکھلے پہنچے۔ پارکنگ کی جگہ گاڑی کھڑی کی۔ قائدِ اعظم نیچے اترے اور مجھے حکم دیا: "گاڑی لاک LOCK کر کے میرے ساتھ آؤ"۔ میں مسحور سا قائدِ اعظم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے، بند کو دیکھا اور فرمایا: "GOOD LOCATION" کچھ دیر بند سے پانی گرتا دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھے تو دیکھا دو آدمی مچھلی کا شکار کر رہے ہیں۔ مجھ سے پوچھا: "WHAT ARE THEY DOING" عرض کیا: "عالیجاہ یہ مچھلی کا شکار کر رہے ہیں"۔ مسکراتے ہوئے انھیں دیکھا اور آگے بڑھ گئے اور وہ شکاری مڑ مڑ کر قائدِ اعظم کی طرف دیکھتے رہے۔ غالباً وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ واقعی یہ قائدِ اعظم ہیں۔ پھر وہ لوگ اپنا شکار چھوڑ کر ہمارے پاس آ پہنچے اور مجھ سے دریافت کیا کہ کیا قائدِ اعظم گھومنے آئے ہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو اُن میں سے ایک شخص نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور عقیدتاً اُن کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو قائدِ اعظم کو اس کا ایسا کرنا ناگوار گزرا اور فوراً فرمایا "THIS IS VERY BAD. تم کو ایسا کرنے کو نہیں کہا۔ میں بھی تم لوگوں جیسا آدمی ہوں۔ تم لوگ کو ایسا نہیں کرنا ہوگا۔ اِس طرح تم میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے گا۔ تم مسلمان ہو تو کبھی نہیں جھکے گا"۔ دوسرا شخص کچھ کہنا چاہتا

تھا کہ پٹھان نے اُسے روک دیا۔ لیکن قائدِ اعظم اس کی طرف مخاطب ہوئے۔ اُس سے مصافحہ کیا اور کہا: "تم لوگ اچھا ہے"۔
انھوں نے کہا "جناب کی دُعا ہے"۔ قائدِ اعظم THANK YOU کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ اُن لوگوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے وہ لوگ قائدِ اعظم کے آگے بڑھ جانے کے بعد واپس چلے گئے۔ ہم قریباً نصف گھنٹہ وہاں کھڑے ہوں گے کہ ہم نے دیکھا کہ دس بارہ آدمیوں کا ایک مجمع "قائدِ اعظم زندہ باد" کے نعرے لگاتا ہوا ہماری طرف آرہا ہے۔ اِن لوگوں کی قیادت وہی پہلے والے دونوں شکاری کر رہے تھے۔ قائدِ اعظم نے مڑ کر اُن لوگوں کی طرف دیکھا اور مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ مجمع کار کے قریب آکر دس بارہ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اِس دوران نعروں کی آواز سن کر پچاس ساٹھ آدمی نہ جانے کہاں سے آگئے۔ اب گاڑی کے قریب ساٹھ ستر آدمیوں کا مجمع تھا جو برابر قائدِ اعظم زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ قائدِ اعظم نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل ایک بار پھر بڑے مسرت طریقے پر ہاتھ اٹھا کر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ حکم کے مطابق میں نے گاڑی چلا دی۔ ہمیں گاڑی سے نکلے تقریباً دو گھنٹے ہو گئے تھے۔ میں نے گاڑی واپس کی اور بیس منٹ میں کوٹھی پہنچ گئے۔ جناب سیکرٹری مطلوب الحسن سید، مس فاطمہ جناح اور سب نوکروں نے سخت تشویش کا اظہار کیا۔

## قاتلانہ حملہ

اصفہانی

مسٹر جناح چھریرے بدن کے آدمی تھے اور انھیں دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ آہستہ سے چھونے پر بھی وہ اپنا جسمانی توازن کھو دیں گے۔ لیکن یہ اندازہ صحیح نہ تھا۔ اگرچہ وہ نحیف و لاغر نظر آتے تھے، تاہم وہ مضبوط اور دلیر تھے۔ جب وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے اور اس کام سے نڈھال ہو گئے تھے جو اُن سے تیس سال کم عمر کے کسی آدمی کی بھی کمر توڑ دیتا تو انھیں ایک نوجوان کے اچانک خنجر کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس کا نام رفیق صابر تھا اور یہ واقعہ مسٹر جناح کے مکان پر بمبئی میں جولائی ۱۹۴۳ء کے آخری ہفتے میں پیش آیا۔
یہ نوجوان قتل کے ارادے اور مقصد سے مسٹر جناح سے ملنے آیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ کوئی آس پاس نہیں ہے اُس نے تیزی سے اپنا چاقو نکالا اور قائدِ اعظم کی طرف لپکا۔ قائدِ اعظم جنھیں خدا نے بڑی حاضر دماغی عطا کی تھی۔ اُسی وقت اپنی لمبی باہنہ بڑھا کر قاتل کی کلائی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنی پوری طاقت سے اُسے نیچے دبائے رکھا۔ انھوں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری اے وائی سید کو جو ساتھ کے کمرے میں تھے آواز دی۔ مجرم کو گرفتار کر

لیا گیا اور عدالت نے اُسے ایک سن رسیدہ اور معزز شخص پر بزدلانہ حملہ کرنے کی پاداش میں وہ سزا دی جس کا وہ یقیناً مستحق تھا۔

قائداعظم نے مجھے بتایا کہ اس پورے بزدلانہ حملے کے دوران میں انھوں نے اپنا سکون واطمینان قائم رکھا اور اس طرح عمل کیا کہ گویا کوئی قابلِ ذکر بات واقع نہ ہوئی ہو۔ ہم لوگوں اور ہندوستان کے باقی سب لوگوں پر انھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک بہادر انسان تھے اور اپنی بڑی عمر کے لحاظ سے مضبوط اور طاقت ور بھی تھے۔

## فاطمہ! ذرا یہاں تو آؤ — مرزا عزیز بیگ

بہت کم ایسا ہوا کہ بہن بھائی میں اختلاف رائے کی نوبت آئی ہو اور جب کبھی ایسا ہوتا، تو بہن خفگی کے عالم میں روٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جاتیں اور پھر تھوڑی دیر بعد بھائی کی آواز گونجتی:

"فاطمی، ذرا یہاں تو آؤ"

لیکن کوئی جواب نہ ملتا۔ آخر قائدِ اعظم جو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے اپنے موقف سے نہ ہٹتے تھے، خود چل کر اُن کے کمرے میں پہنچتے اور پھر ذرا سی دیر میں روٹھی ہوئی بہن کو منا لیتے۔

## اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ — حسرت موہانی

مَیں ایک روز جناح صاحب کی کوٹھی پر صبح ہی صبح نہایت ضروری کام سے پہنچا اور ملازم کو اطلاع کرنے کو کہا۔ ملازم نے کہا کہ اس وقت ہم کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ تشریف رکھیں تھوڑی دیر میں جناح صاحب خود تشریف لے آویں گے۔ چونکہ مجھے ضروری کام تھا اور اُس کو جلد سے جلد جناح صاحب سے کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے مجھے ملازم پر غصہ آیا اور میں خود کمرے میں چلا گیا۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں پھر تیسرے کمرے میں پہنچا تو برابر کے کمرے سے مجھے کسی کے بلک بلک کر رونے اور کچھ کہنے کی آواز آئی چونکہ جناح صاحب کی آواز تھی اس لیے میں گھبرایا اور آہستہ سے پردہ اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہیں اور بہت ہی بیقراری کے ساتھ دعا مانگ رہے ہیں۔ میں دبے پاؤں وہیں سے واپس آ گیا اور اب تو بھائی جب جاتا ہوں اور ملازم کہتا ہے کہ اندر ہیں تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہوئے دعا کر

رہے ہیں۔ میرے تصوّر میں ہر وقت وہی تصویر اور وہی آواز رہتی ہے۔

## لندن میں جمعہ کی نماز

ممتاز حسن احسن

قائداعظم کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ جمعہ کی نماز لندن کی کسی مسجد میں ادا کریں۔ انھوں نے گرم جوشی سے یہ تجویز منظور فرمائی، اور ساتھ ہی یہ کہا کہ میں اس مسجد میں جانا پسند کروں گا جہاں عام مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ ہم نے ایسٹ اینڈ کی ایک مسجد جو غریب مسلمانوں کی آبادی کی ہوئی ہے منتخب کی۔ وہاں قائداعظم پہنچے تو خطبہ ہو رہا تھا۔ کچھ لوگ کھڑے ہوگئے اور اگلی صفوں میں اُن کے لیے جگہ خالی کردی۔ مگر انھوں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور فرمایا میں دیر سے آیا ہوں اس لیے جہاں مجھے جگہ ملی، وہی میرے لیے مناسب ہے۔

## پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں

محمد یامین خان

دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ایک خوشامدی نے نعرہ لگایا: "شاہِ پاکستان زندہ باد!" قائداعظم بجائے خوش ہونے کے فوراً بولے:

"دیکھیں، آپ لوگوں کو اِس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ پاکستان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوگا وہ مسلمانوں کی ری پبلک ہوگی جہاں سب مسلمان برابر ہوں گے۔ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوگی۔"

## مسلم لیگ کی جمہوری حیثیت

مطلوب الحسن سیّد

۱۹۳۶ء کے لکھنؤ کے اجلاس میں، میں نے اُن کو پہلی بار دیکھا۔ وہ اجلاس کی منتخبہ کمیٹی کی صدارت کر رہے تھے۔ کمیٹی کے اراکین کو جھگڑتا دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی نشست تو شاید مہینوں میں بھی ختم نہ ہو۔ مگر قائدِاعظم کی طرف جب نگاہ اٹھتی تو میں اُن کو نہایت متانت سے بیٹھے سگریٹ پینے میں مشغول پاتا تھا۔ جب لوگ اپنے نظریے پیش کر چکتے تو قائدِاعظم کھڑے ہوتے اور چند ہی لفظوں میں تمام مقررین کے اعتراضات اور خدشات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنا نظریہ مختصر الفاظ میں پیش کر کے پوچھتے: "کچھ اور کہنا ہے آپ لوگوں کو؟"

سب کہتے: "کچھ نہیں" اور قرارداد بالاتفاقِ رائے منظور ہو جاتی۔ اس کمیٹی میں ایک قرارداد پر مولانا حسرت موہانی مرحوم اَڑ گئے۔ قائدِ اعظم کو یقین تھا کہ مولانا اِس قرارداد کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھے۔ مگر مولانا کی دشمنی اور اُن پر دباؤ ڈالنا منظور نہ تھا۔ چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ مولانا سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

"مسلم لیگ تو جمہوری حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کمیٹی میں مولانا سمجھتے ہیں کہ انھیں شکست ہو گئی ہے تو آئندہ اجلاس کا انتظار کریں اور اِس فیصلے کو بدلوانے کی کوشش کریں۔"

مولانا کی طبیعت چونکہ خود جمہوریت پسند تھی۔ انھوں نے قائدِ اعظم کی اِس تجویز کو منظور کر لیا۔

## ایک رفیقِ کار کی ذلیل حرکت

اصفہانی

یہاں میں ایک ذلیل حرکت کی مثال دے رہا ہوں جسے قائدِ اعظم کبھی معاف نہیں کر سکے۔ حالانکہ جو شخص اِس کا مرتکب ہوا تھا وہ ایک قدیم اور مستند رفیق کار تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۲ء کے موسمِ بہار میں سر سٹیفورڈ کرپس کے ہندوستانی مشن کے زمانے میں واجب۔ کہ لڑائی کی صورتِ حال انگریزوں کے لیے زیادہ قابلِ اطمینان نہ تھی۔

اپنی حریف کانگرس کی مجلسِ عاملہ کی طرح مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے جلسے بھی دن میں ایک یا دو بار ہوتے رہتے تھے: تاکہ مختلف حلقوں سے جن پر قدرتی طور پر سر سٹیفورڈ کا حلقہ بھی شامل تھا۔ جو تجاویز اور جوابی تجاویز ہوتی رہتی تھیں اُن پر غور کیا جا سکے۔ ایک یا دو روز کے بعد ہم لوگوں پر جو مجلسِ عاملہ کے رکن تھے۔ یہ عیاں ہو گیا کہ کوئی ہمارے بحث مباحثے کی تفصیلات خفیہ طریقے سے دہلی کے ہندو اخباروں کو پہنچا دیتا ہے۔ چونکہ ہم سب لوگ باعزت تھے۔ جن پر مسلمان قوم کو اعتماد تھا اور ہمارا صدر محمد علی جناح کے سوا اور کوئی نہ تھا جو مسلمانوں کے نزدیک قابلِ پرستش تھے۔ لہٰذا ہم لوگوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی۔ ہر ایک اپنے دل میں دوسرے پر شبہ کرتا تھا اور صورتِ حال سب کے لیے پریشان کن ہو گئی۔

دوسرے روز مجلس کے ایک رکن نے اِس معاملے کو جلسے میں اُٹھایا اور انھوں نے اِس پر حیرت اور

شرمندگی کا اظہار کیا کہ مجلس عاملہ کی رازکی باتیں اخباروں تک پہنچ جائیں اس طرح کیونکہ کانگرس اور مہاسبھا
اور سکھوں کو اپنا مقدمہ تیار کرنے اور ہمارے دلائل کا فوراً جواب دینے کا موقع مل جائے گا۔ جب بھی
انھیں ہمارے نمائندوں کی جانب سے سر سٹیفورڈ کرپس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسٹر جناح نے جو کسی ایک
رکن یا ارکان کی غیر ذمہ داری اور بے اعتباری سے خود بھی ناخوش تھے سنجیدگی سے اپنی ناراضگی کا اظہار
کیا اور کسی کا نام لیے بغیر سب ارکان سے درخواست کی کہ وہ یہ یاد رکھیں کہ اپنے اعتماد کے بلند مرتبے کی بنا پر اُن
پر مسلمان قوم کا ایک فرض عائد ہوتا ہے اور انھیں دوسروں کو خفیہ خبریں پہنچا کر اس اعتماد سے غداری نہ کرنا
چاہیے کیونکہ اس سے ہماری قوم کو بے اندازہ نقصان پہنچے گا اور اسی حساب سے ہمارے دشمنوں کو فائدہ۔
انھوں نے درخواست کی کہ ارکان کو مذاکرات کا خلاصہ تک بھی نام نہاد دوستوں یا اخباروں کو بلکہ اپنے معتمد
ترین عزیزوں اور دوستوں کو بھی بتانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ہمیں اس سے خوشی ہوئی کہ صدر نے ایک نرم
سی تنبیہہ کر دی جو کسی باعزت اور کسی ذمہ دار شخص کے لیے کافی پُراثر تھی اور یہ خیال ہوا کہ اس سے بے پروائی
نہیں کی جائے گی۔ لیکن ہماری توقعات غلط ثابت ہوئیں کیونکہ دوسرے دن پھر نئی دہلی کے بارسوخ اخبار
ہندوستان ٹائمز میں بعض ایسی خبریں شائع ہوئیں جن میں اس کارروائی کی کچھ نہ کچھ اطلاع موجود تھی۔ جو نوابزادہ
لیاقت علی خان کے مکان ۸۔ بی ہارڈنگ ایوینو کے کھانے کے کمرے میں بند دروازوں کے پیچھے ہوئی تھی۔

اس معاملے کو پھر ایک مرتبہ مجلس میں اٹھایا گیا اور صدر اس پر مایوسی اور شرمندگی کا اظہار کیا کہ گذشتہ
روز کی درخواست اور تنبیہہ کے باوجود خبریں پھر اخباروں تک پہنچ گئیں۔ ہر رکن نے یکساں خود اعتمادی
کے ساتھ صدر کو یقین دلایا کہ یہ خطا اس سے سرزد نہیں ہوئی تھی۔

جلسے کے بعد ہر رکن اس کوشش میں مشغول ہو گیا کہ وہ ذریعہ معلوم کیا جائے جس سے خبریں نکلتی ہیں
یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہر شخص کو اس کی فکر تھی کہ مجرم کا سراغ لگایا جائے۔ اس طرح نئی دہلی ایک "گرم"
شہر بن گئی۔ ایک دم کئی شرلاک ہومز اس سربستہ راز کو حل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اتنا کہہ دینا
کافی ہے کہ کئی آدمیوں کی الگ الگ تحقیقات سے ایک ہی شخص کا پتہ چلا اور وہ بھی ایک دیرینہ وفادار اور
معتمد مسلم لیگی کا جن سے مسٹر جناح کو بہت انس تھا۔ چند ارکان مجرم کے بارے میں یہ خبر لے کر بہت خفیہ
طریقے سے مسٹر جناح کے پاس پہنچے۔ اُن کے لیے یہ خبر بہت بُری تھی۔ کیونکہ اس سے اُن کا ایک ایسے شخص

کے متعلق اعتقاد متزلزل ہوگیا جس پر انھیں اب تک بھروسہ رہا تھا۔ لیکن ذاتی پسند اور ناپسند کو حسب معمول ایک زیادہ بڑے مقصد کے آگے جھکنا پڑا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب مسلم لیگ کی نئی مجلس عاملہ کا اعلان ہوا تو اُس مخصوص رُکن کا نام فہرست میں شامل نہ تھا۔ اُسے اپنی بے احتیاطی کی قیمت ادا کرنا پڑی خواہ اُس کا کوئی اور مقصد نہ بھی رہا ہو اور مسٹر جناح نے تیشہ چلا ہی دیا اگرچہ غالباً یہ سزا دینا اُن کے لیے سخت تکلیف دہ تھا۔

## اعتماد کا ووٹ

**بیگم لیاقت علی خان**

مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب مسلمانوں نے چاہا کہ مسلم لیگ کے صدر کا سالانہ انتخاب ختم کر کے قائداعظم ہی کو مستقل صدر بنانے کی قرارداد منظور کرائی جائے۔ مگر انھوں نے جواب دیا:

"نہیں۔ سالانہ انتخابات نہایت ضروری ہیں مجھے ہر سال آپ کے سامنے آن کر آپ کے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا چاہیے۔"

## شملہ کانفرنس کی ناکامی

**خواجہ ناظم الدّین**

مجھے اُن کی ذاتِ گرامی کے متعدد اوصاف کے مشاہدے کا موقع ملا ہے۔ لیکن اِن بہت سے اوصاف میں سے دو ایسے ہیں جنھوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ایک اپنے بنیادی اصولوں پر اٹل رہنے کے معاملے میں اُن کا عزمِ راسخ اور دوسرے اُن کی وہ بے اندازہ قوتِ فیصلہ جس کی مدد سے اہم سے اہم پیش آنے والے واقعات کے متعلق لوگوں کے جذبات اور صحیح رَدِعمل کا اندازہ لگا لیتے تھے۔

مجھے قائداعظم کی شخصیت کے اس پہلو سے ۱۹۴۵ء میں پہلی شملہ کانفرنس کے زمانے میں بڑے حیرت انگیز انداز میں آگاہی ہوئی۔ کانفرنس کے زمانے میں مسلم لیگ کے سارے زعما شملہ میں موجود تھے مسلم لیگی لیڈروں کے علاوہ مختلف فکر وخیال کے تقریباً سارے مسلمان سیاسی رہنما بھی وہیں موجود تھے اور اُن سب کی خواہش تھی کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ ان میں سے اکثر فرداً فرداً وفد کی صورت میں قائدِاعظم سے ملے اور اُن کی رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قائدِاعظم ایک سخت چٹان کی طرح اپنے خیال پر جمے رہے اور اپنے ہمنشیں

کیے ہوئے بنیادی مطالبات میں کسی قسم کی ترمیم پر تیار نہ ہوئے آخر شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔ ہم سب کا خیال تھا کہ عوام پر اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا۔ لیکن بعد میں پیش آنے والے واقعات سے ثابت ہوا کہ ہم سب غلطی پر تھے اور صرف قائدِ اعظم کی رائے صحیح تھی شملہ سے واپسی پر میں انبالہ اترا اور یہاں ہر شخص کو قائدِ اعظم کی تعریف کرتے سنا۔ نہ صرف انبالے میں بلکہ سارے راستے میں یہی کیفیت دیکھی۔ ہر کس و ناکس قائدِ اعظم کے فیصلے کا مداح تھا۔ لیکن اِس فیصلے کا نقطۂ عروج مجھے اس وقت نظر آیا جب میں نے لکھنؤ کے جلسۂ عام میں شرکت کی۔ یہاں ہر شخص کانفرنس کی ناکامی پر شاداں تھا اور ایک آواز بھی ایسی نہ تھی جو قائدِ اعظم کے فیصلے کو غلط کہہ رہی ہو۔

جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا شملہ کانفرنس نے جو فیصلہ کیا تھا اُس نے مسلمانوں کو ایک تازہ قوت اور اُن کی تحریک کو حیاتِ نو ملی۔

## مَیں نے بہت کچھ سیکھا

لیاقت علی خاں

قائدِ اعظم کے ساتھ بارہ برس کی رفاقت میں مَیں نے چند نہایت اہم باتیں سیکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہو جس پر پوری طرح عمل کرنے سے قاصر رہو۔ دوسرے اپنے ذاتی تعلقات و رجحانات کو قومی مفاد میں خلل انداز نہ ہونے دو۔ اور اِس معاملے میں دوسروں کے کہنے کی قطعاً پروا نہ کرو، اور تیسرے اگر تم سمجھتے ہو کہ کسی بات میں تم راستی پر ہو تو دشمن کے آگے خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، ہرگز نہ جھکو۔

## حیدرآبادی تہذیب کو اپناؤ

علی اختر

اہلِ حیدر آباد کو وہ وقت کبھی نہیں بھولے گا جب قائدِ اعظم نے حدودِ جامعہ (عثمانیہ) میں طلبا کو مخاطب فرمایا تھا۔ انسانوں کا چلتا ہوا سیلاب تھا۔ ترکی ٹوپیاں، سیاہ شیروانیاں اور چوڑے پائنچے کے پاجامے زیب تن کیے جامعہ کے طلبائ، رفقا اور مہمان ہر جانب چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ چہرے خوشی سے جگمگا رہے تھے اور دلوں میں عقیدت اور ارادت کا ایک طوفان اُمڈ رہا تھا۔ خود قائدِ اعظم بھی اِس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کا یہ فقرہ اب بھی اہلِ حیدر آباد کو یاد ہے:

"میں چاہتا ہوں کہ سارے ہندوستان میں یہی تہذیب ہو جائے۔"

## ہتک

عزیز احمد

دورانِ گفتگو میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ قوم کی زندگی اور ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک بلا لحاظ مرتبہ دیثیت خود کو قوم کے مفاد کا نگہبان و محافظ سمجھے اور اگر کسی کو ایسی حرکت کا مرتکب پائے جس سے قوم یا ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو اپنے آرام و سہولت کو نظر انداز کر کے مرتکب کی گردن پکڑ لے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنا ایک واقعہ بھی بیان کیا۔ فرمایا: "مدتوں پہلے کی بات ہے میں ایک دفعہ سفر کر رہا تھا۔ اُن دنوں بہت کم لوگ مجھے جانتے تھے۔ مَیں نے درجہ اول کا ٹکٹ خریدا۔ مگر وہ سہواً ملازم کے پاس رہ گیا۔ جب میں منزلِ مقصود پر گاڑی سے اترا اور مجھے ٹکٹ نوکر کے پاس چھوڑ آنے کا احساس ہوا تو مَیں ٹکٹ کلکٹر کے پاس پہنچا اور اُس سے کہا کہ میں اس طرح ٹکٹ بھول آیا ہوں۔ تم مجھ سے کرایہ وصول کر لو۔ میں خریدے ہوئے ٹکٹ کے داموں کی واپسی کا مطالبہ کر لوں گا۔ ٹکٹ کلکٹر نے کہا: "تم مجھے دو روپے دے دو اور چلے جاؤ۔" اُس کا یہ کہنا تھا کہ میں وہیں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "تم نے میری ہتک کی ہے۔ اپنا نام اور پتہ بتلاؤ۔" لوگ جمع ہو گئے اُن میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کئی ایک نے مجھ پر فقرے بھی چست کیے۔ مگر مَیں وہاں سے نہ ٹلا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسافروں کو لوٹنے والا بابو برخاست ہو گیا۔"

## بچّے کا قومی احساس

محمد اظہار الحسن

۱۹۴۰ء میں قائدِ اعظم دہلی سے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ غازی آباد کے سٹیشن پر مشتاقانِ دید کا ہجوم ہے۔ اُن میں ایک دس سال کا بچہ ہے۔ اُس کے ہاتھوں میں بھی پھولوں کا ہار ہے۔ قائدِ اعظم مسکراتے ہوئے گاڑی سے اُترتے ہیں۔ بچہ ہار پہنانا چاہتا ہے۔ آپ جھک جاتے ہیں، ہار پہن لیا تو بچے سے پوچھا: "تم کیوں آئے ہو؟" جواب ملتا ہے:

"آپ کو دیکھنے کے لیے۔" پھر سوال فرماتے ہیں: "مجھے دیکھنے کیوں آئے ہو؟" بچے نے جواب دیا: "قوم کے لیے۔" قائدِ اعظم کی زبان سے بے ساختہ شاباش نکلا اور چہرہ فرطِ مسرت سے کھِل اُٹھا۔ بچّے کی پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا: "مسلمانوں کے بچوں میں بھی اب قوم کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔"

## کم کھاؤ، آرام پاؤ

مطلوب الحسن سیّد

مسٹر محمود حسن ایک دن جناح صاحب کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانا نکالا گیا۔ جناح صاحب نے حسبِ معمول بہت تھوڑا سا کھانا کھایا اور اُس کے بعد چھری اُٹھا کر اسے اپنے ناخنوں سے بجانے لگے۔ (اس عادت سے اُن کے اکثر دوست واقف ہوں گے)۔ مسٹر محمود جو ابھی تک کھانے میں مصروف تھے۔ کچھ خفّت سی محسوس کرنے لگے اور بولے:

"آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں"

جناح صاحب نے جواب دیا:

"دنیا والے اسی لئے تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ کھاتے بہت ہیں"

## لبیا کا سیّاح

ممتاز حسن

جن لوگوں نے قائدِ اعظم کو قریب سے دیکھا ہے وہ مجھ سے اِس بارے میں اتفاق کریں گے کہ اُن کی ذاتی زندگی اُن کی قومی اور سیاسی شخصیت میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسا سمجھئے کہ مسٹر محمد علی جناح کو بہت کم موقع ملتا تھا، کہ وہ قائدِ اعظم محمد علی جناح سے بھی بات کر سکیں چہ جائیکہ اُن کے کاموں میں دخل دیں۔ قائدِ اعظم ہر وقت ہمہ تن مسلمانوں کے سیاسی مسائل کے حل اور قومی مستقبل کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔ البتہ مسٹر جناح کی دلچسپیاں اِس سے وسیع تھیں جتنی کہ اُن کی طبیعت ظرافت کے عنصر سے بھی خالی نہ تھی۔ ۱۹۴۸ء میں جب لندن سے واپس آتے ہوئے اُن کا جہاز لیبیا کے ہوائی اڈے الآدم پر اترا تو مزاحاً فرمانے لگے کہ مجھے لیبیا کا سیاح کہلانے کا حق ہو گیا ہے۔ اسی طرح ایک بار مختلف ملکوں کے کسٹم کے محکموں کے متعلق تذکرہ کر رہے تھے کہ انھیں اپنا ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا۔ کہنے لگے:

"ایک دفعہ میں ایک فرانسیسی کسٹم آفیسر کے سامنے اپنے اسباب کی تفصیل پیش کر رہا تھا۔ اِس میں کچھ سگرٹوں کے ڈبے تھے۔ کسٹم کے آفیسر نے کہا کہ اِن سگرٹوں پر آپ کو محصول دینا ہوگا، اور ساتھ ہی ایک معقول رقم بنا دی جو سگرٹوں کی قیمت سے کم نہ تھی۔ میں نے بہت کہا کہ یہ سگریٹ میرے پینے کے ہیں مگر وہ نہ مانا۔ اِس پر میں نے اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے سگرٹ کے ڈبے اس کے ہاتھ

سے لے کر بنگلے کے باہر پھینک دیئے اور کہا کہ اب میرے پاس نہ تو سگرٹ ہیں اور نہ ہی مجھ سے کوئی ڈیوٹی وصول کی جاسکتی ہے اگر آپ کو شوق ہے تو یہ ڈبے خود اٹھایئے اور سگریٹ پی جایئے کسٹم آفیسر حیران رہ گیا۔ پھر جتنی بحث اُس نے کی وہ بے سود تھی۔ خدا جانے اُس نے وہ سگریٹ اٹھائے یا نہیں "۔

## گورنر جنرل بھی، انسان بھی

ممتاز حسن

اِس ایک ہی شخص کی دو شخصیتوں کا احساس جس قدر مجھے اُن سے ۱۹۴۸ء کی آخری ملاقات کے دوران میں ہُوا اُس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے مجھے ایک سرکاری کام کے لیے بلایا تھا جب تک سرکاری کاغذات اُن کے سامنے رہے انھوں نے مجھ سے محض اُسی معاملے پر گفتگو کی۔ میری تجویز پر کڑی نکتہ چینی کی۔ ایک سوال کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، غرضیکہ سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ آخر جب پورے طور پر مطمئن ہو گئے اور کاغذات پر دستخط فرما دیئے تو اُن کے چہرے پر فی الفور تبسم نمودار ہوا اور انھوں نے اِس ملاقات میں پہلی بار میرا مزاج پوچھا۔ پھر ہنس ہنس کر باتیں کیں اور رخصت کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک ہی ملاقات میں قائدِ اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کو بھی دیکھا اور اُن سے بہت ہی مختلف ایک اور انسان یعنی مسٹر محمد علی جناح کو بھی۔

## خدایا میری زندگی محمدؐ علی جناح کو بخش دے

ممتاز حسن

عام غریب مسلمان جناح کو کیا سمجھتے تھے مجھے اِس کا اندازہ ۱۹۴۶ء میں ہوا جب جناح لندن کے مشرقی حصے کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے انھیں دیکھتے ہی صفیں کی صفیں خالی کر دیں تاکہ وہ سب سے آگے کی صف میں بیٹھ سکیں اگرچہ خود انھوں نے آخری صف میں ہی بیٹھنا پسند فرمایا اور کہا کہ میں دیر سے آیا ہوں اور کسی اور جگہ کا مستحق نہیں۔ نماز ختم ہوئی تو چھوٹے چھوٹے بچوں نے انھیں گھیر لیا۔ وہ جناح صاحب کو قریب سے دیکھنا اور ہاتھ ملانا چاہتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی چھوٹی چھوٹی کاپیوں میں اُن کے دستخط لینا چاہتے تھے۔ اِس کے بعد ہر نمازی نے اُن سے مصافحہ کیا۔ یہ خلوص اور عقیدت کا ایک بے مثال مظاہرہ تھا۔

ایک شخص پر رقت طاری ہوگئی اور اُس نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی کہ اے خدایا میری زندگی محمد علی جناح کو بخش دے۔ یہ سارے کا سارا مجمع غریب مسلمانوں کا تھا۔ کوئی ملاح تھا کوئی چھوٹا دکاندار، کوئی خوانچہ فروش۔ جناح نے نماز کے لیے یہ مسجد خود منتخب کی تھی۔ اُن کا ارشاد تھا کہ میں کسی ایسی مسجد میں جانا چاہتا ہوں جو کسی فرقے سے خاص نہ ہو اور جس میں غریب مسلمان نماز پڑھتے ہوں۔

## لوگوں کا بابا

ممتاز حسن

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب نے اپنے گاؤں جانے کا اتفاق ہوا تو گاؤں کے مرد، عورتیں اور بچے آ آ کر مجھ سے اُن کی صحت کے متعلق استفسار کرنے لگے: "بابے نوں کی تکلیف اے"۔ "بابے دا ہن کی حال اے"۔ "بابے دا کی حکم اے"۔ ان لوگوں کو قائد اعظم کا پورا نام بھی معلوم نہ تھا کہ اُن کا ملجا و ماوا ایک ایسا شخص دنیا میں موجود ہے جس کی زندگی اُن کے لیے وقف ہے۔ وہ اپنے "بابے" کی صحت کے لیے دست بدعا تھے۔ وہ اُن کا تھا اور وہ اُس کے۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ دولت مندوں کے حلیف تھے مگر جن لوگوں نے اُن کو عام مسلمانوں کے مجمعوں میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ غریب مسلمانوں کے لیے اُن کے دل میں کیا جذبہ موجود تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ بے پناہ عقیدت غریب مسلمانوں کو اُن کی ذات سے تھی یک طرفہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

## سکنہ منٹگمری

اسد ملتانی

جب قائد اعظم کا دہلی میں طویل قیام ہوتا اور وہ ہجوم کار سے گھبرا جاتے تو باغپت ضلع میرٹھ تشریف لے جاتے اور غالباً وہاں ڈاک بنگلے میں رہتے تھے۔ یہ ڈاک بنگلہ دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ منظر بہت اچھا ہے اور جگہ بڑے سکون کی ہے۔ وہیں ایک روز نواب صاحب باغپت نے قائد اعظم سے کہا: "آپ کا خاندان تو تجارت پیشہ ہے، آپ میں کڑک کہاں سے آئی؟" اس پر قائد اعظم نے مسکرا کر جواب دیا: "نواب صاحب میں تو پنجابی راجپوت ہوں۔ کئی پشتیں گذریں میرے ایک جد کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے ایک خوجہ کی لڑکی سے شادی کر لی اور انہی کے خاندان میں مل گئے۔ اُس وقت سے ہم خوجوں میں شمار ہونے لگے۔ میرے وہ جد جو کاٹھیاواڑ چلے گئے تھے ضلع منٹگمری کے رہنے والے تھے"۔

## باترتیب نجی زندگی

اے بی اکرم

ہم اکثر دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھاتے ۔ یہ اتفاق اس لیے بھی پیش آتا رہا کہ میرا کاروبار سیکر ٹیریٹ کی عمارت کے بالکل سامنے تھا۔ قائد اعظم کو کھانے میں کوئی خاص ڈش مرغوب نہ تھی۔ ہاں پاپڑ کھانے کے بہت شوقین تھے وہ بھی ایسے جن میں مرچیں کم ہوں۔ قائد اعظم صرف سیاسی زندگی میں ہی بااصول اور نظم وضبط کے پابند انسان نہ تھے۔ نجی زندگی بھی بڑی باترتیب تھی۔ یہ نظم وضبط ہی تھا کہ ڈھیروں دولت کمانے کے باوجود کوئی اخلاقی برائی اُن کے قریب نہ پھٹکی۔ خود تو کسی برائی میں کیا ملوث ہوتے بُرے آدمی کو بھی قریب نہ پھٹکنے دیتے تھے جس شخص کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ کسی علت کا شکار ہے اُس سے نفرت کرتے۔ قائد کو بس ایک ہی عادت تھی اور وہ یہ کہ سگار بہت پیا کرتے تھے بلاشبہ اُس زمانہ میں اُن کے دوستوں میں ہندو بھی تھے۔ جس دوست گوپل داس کے ذریعہ میری جناح صاحب سے ملاقات ہوئی تھی وہ اُن کا بھی دوست تھا۔ ملاحظہ کریں اُن کا وہ ہندو دوست بھی کس کردار کا مالک تھا۔ وہ شخص بٹیر کا کاروبار کرتا تھا کہ اُس کا دیوالیہ ہو گیا۔ وہ جاپان چلا گیا۔ اُس نے پائی پائی ادا کر دی۔ ۳۳ کروڑ روپیہ کوئی معمولی رقم نہ تھی۔ اِس شخص کی مثال میں اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ قائد اعظم کے حلقۂ احباب میں اعلیٰ کردار کے لوگ تھے۔

## جج بطور سٹیشن ماسٹر

فرخ امین

قائد اعظم کی شخصیت کی جس خصوصیت سے لوگ عموماً ناواقف ہیں۔ وہ اُن کی لطافتِ مزاج ہے۔ کبھی کبھی وہ کھانے کی میز پر ہمیں مزے مزے کے لطیفے اور قصے سناتے۔ قائد اعظم کا سنایا ہوا ایک لطیفہ مجھے اب تک اچھی طرح یاد ہے:۔ "انگلستان کے کسی چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی معمول سے ذرا زیادہ ٹھہر گئی۔ ایک ہندوستانی جج نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ اتنے میں انگریز بھی گاڑی سے اترا اور سیدھا اُن جج صاحب کی طرف آ کر اُن سے پوچھنے لگا: "گاڑی کب چھوٹے گی؟" جج نے جواب دیا: "مجھے کیا معلوم؟" اِس پر انگریز نے کہا: "لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے۔ کیا تم اسٹیشن ماسٹر نہیں ہو؟" اِس پر جھنجھلا کر جواب دیا: "نہیں مَیں اسٹیشن ماسٹر نہیں ہوں"۔ انگریز بولا: "اگر نہیں ہو تو ویسے معلوم کیوں ہوتے ہو"۔

# قائدِ اعظم کے آخری دستخط

فرخ امین

بیماری کے پورے زمانے میں قائدِ اعظم نے اُس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک اُن میں ذرا بھی سکت باقی رہی۔ ہم انھیں کاموں کی اطلاع نہ دیتے لیکن اگر انھیں پتہ چل جاتا تو وہ کام کرنے پر مصر ہوتے۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انھوں نے یو این او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لیے سر محمد ظفراللہ خاں کو پورے اختیارات دینے کے لیے آخری سرکاری کاغذ پر دستخط کئے۔

"قائدِ اعظم اپنی مسہری پر لیٹے ہوئے تھے میں نے کاغذ اُن کے سامنے پیش کیا۔ اس پر نظر ڈال کر قائدِ اعظم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: "امین! کچھ نظر نہیں آ رہا۔" میں نے یہ سمجھ کر کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے بجلی روشن کر دی۔ قائدِ اعظم نے پھر نظر ڈالی اور اُسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے ذرا سی دیر میں نظر ہٹا لی اور میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ اب بھی کاغذ پڑھنے میں انھیں دقت ہو رہی ہے۔ کمرے کے بائیں طرف ایک کھڑکی تھی۔ اُس پر ایک موٹا سا پردہ پڑا ہوا تھا۔ کھڑکی کے پاس جا کر میں نے پردہ سرکا دیا کہ باہر سے روشنی آسکے۔ اِس مرتبہ بھی قائدِ اعظم کاغذ کی عبارت اچھی طرح نہ پڑھ سکے۔ دِل کہہ رہا تھا کہ یا اللہ یہ کیا ہُوا۔ اتنے میں مجھے دیکھا اور فرمایا کہ مجھے اُٹھا کر بٹھاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اُن کی پسلیوں کے پیچھے ہاتھ رکھ کر آہستہ سے سہارا دیا اور پیچھے کی طرف دو تکیے رکھ کر انھیں بٹھانے کی کوشش کی لیکن قائدِ اعظم کے لیے یہ بھی ممکن نہ ہوا کہ وہ اس طرح بیٹھ کر کاغذ پر دستخط کر سکیں۔ اِس صورتِ حال سے بڑی الجھن ہوئی۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے سہارا دو تاکہ میں پوری طرح بیٹھ سکوں۔ میں نے ہاتھوں کے سہارے سے اُن کے جسم کو اور سیدھا کیا۔ میں اُن کے سامنے کی طرف کھڑا تھا اور میرے دونوں ہاتھ اُن کی پسلیوں کے پیچھے تھے۔ اس طرح اگر وہ کاغذ پر دستخط بھی کرنا چاہتے تو میرے دونوں ہاتھ اُن کے لیے رکاوٹ پیدا کرتے۔ اِس لیے میں نے اُن کے جسم کو ایک ہاتھ سے روکا اور پیچھے کی طرف جا کر اُسے اپنے دونوں ہاتھوں سے سنبھال لیا۔ اُس وقت میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے میں نے شیشے کی بہت نازک سی چیز پکڑ رکھی ہے اور میری ذرا سی کوتاہی سے بھی اس نازک شیشے میں بال پڑ جائے گا۔ قائدِ اعظم نے اُس وقت فرمایا: "مضبوطی سے پکڑو۔" یہ الفاظ تحکمانہ انداز میں فرمائے گئے تھے لیکن آواز میں کسی قدر ضعف تھا۔ اِس طرح قائدِ اعظم نے بڑی مشکل سے اِس کاغذ پر دستخط کیے۔ اِس دستخط کا نقش اب

بھی میرے سامنے ہے۔ اُن میں قائدِ اعظم کے پچھلے دستخطوں کی سی اُستواری نہ تھی۔ اُس وقت میرا دل رو رہا تھا۔ یہ نحیف جسم اور ہڈیوں کا ڈھانچہ جسے میں نے اپنے ہاتھوں میں سنبھال رکھا تھا اُسی شخص کا تھا جس نے برسوں ہندوستانی اور انگریزی سیاست دانوں کا مقابلہ کیا اور جس نے منتشر مسلمانوں کو ایک منظم اور طاقتور قوم بنا دیا۔ اُس کی آج یہ حالت ہے کہ جب وہ کاغذ پر دستخط کر چکے تو قطعی تھک چکے تھے۔ انھوں نے بڑے دردناک انداز میں فرمایا: "امین! میں بھی ہانپ رہا ہوں اور تم بھی ہانپ رہے ہو۔" میرا سانس بے شک تیز تھا۔ میں اس لیے ہانپ رہا تھا کہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش نے مجھے تھکا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں اور میرے جسم سے ملحق پاکستان کی سب سے محبوب شخصیت تھی۔ وہ شخصیت جس کے ایک اشارے پر لاکھوں آدمی اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو جائیں۔ اِس صورتِ حال نے میرے ذہن میں جو اضطراب پیدا کیا تھا وہ میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اِس لیے قائدِ اعظم کو بستر پر لٹاتے ہی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور خوب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

## جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے — عاشق حسین بٹالوی

ایک روز قائدِ اعظم اپنی کوششوں کا ذکر کرتے ہُوئے ایک خاتون کا ذکر کرنے لگے جو بار بار اُن کے پاس آکر انھیں پارلیمنٹری بورڈ قائم کرنے سے منع کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ پنجاب میں لیگ کے ٹکٹ پر کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پیر تاج الدین صاحب بھی اس محفل میں موجود تھے۔ پیر صاحب قائدِ اعظم کے پرانے ساتھی اور رفیق کار تھے۔ برسوں پنجاب میں مسلم لیگ کے سیکرٹری رہ چکے تھے۔ اُن کی شمشیرِ زباں کی روانی کے سامنے کوئی مصلحت نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ قائدِ اعظم پیر صاحب کے رنگِ طبیعت سے خوب واقف تھے۔ جب قائدِ اعظم اس خاتون کا ذکر کر چکے تو پیر صاحب نے بے تکلفی سے فرمایا: "مسٹر جناح! اس خاتون نے آپ سے بہت میل جول بڑھا لیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں آپ اُس کے ناز و غمزہ کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں۔" قائدِ اعظم نے ہنس کر انگریزی میں جو جواب دیا۔ اُس کا مفہوم اردو میں یہ شعر من و عن ادا کرتا ہے ؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

## قائدِ اعظم کی اُردو

بابائے اُردو مولوی عبدالحق

اینگلو عربک کالج کے طلبا نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس وقت کے معاملات پر تقریر فرمائیں، تقریر سے قبل شب کے کھانے کی بھی دعوت دی جس میں چند اور صاحبوں کو بھی مدعو کیا۔ ان میں ایک میں بھی تھا، کھانے کے بعد مجھ سے فرمانے لگے "آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے میں نے اُردو میں کب اور کہاں تقریر کی؟" میں نے لاعلمی ظاہر کی تو فرمایا "کئی سال ہوئے بنگال کے مقام پر گیا (مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ غالباً یہ جلسہ انتخاب کے بارے میں تھا) تو دیکھا کئی ہزار آدمی جمع ہیں۔ اِس قدر مجمع کی توقع نہ تھی۔ میں نے سر عزیز الحق سے جو اُس وقت میرے ہمراہ تھے، پوچھا، کہ اِس مجمع میں کتنے لوگ انگریزی سمجھتے ہوں گے؟ انھوں نے کہا، کم و بیش پانچ سو۔ تب میں نے کہا اُردو جاننے والے کتنے ہوں گے؟ انھوں نے کہا تقریباً ڈیڑھ ہزار۔ اس کے بعد سر عبدالحق نے کہا آپ انگریزی میں تقریر فرمائیے۔ میں اس کا ترجمہ بنگالی میں سنا دُونگا لیکن میں نے اُن کا مشورہ نہ مانا، اور اُردو میں تقریر کی یہ میری پہلی اُردو تقریر تھی"۔ اِس کے بعد قائدِ اعظم ہنس کر فرمانے لگے "MY URDU IS TANGAWALA URDU" (میری اُردو ٹانگے والے کی اُردو ہے)۔

## پاکستان کی زبان اُردو ہوگی۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں جو دہلی میں ہو رہا تھا سر فیروز خاں نون نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں شروع کی، تو ہر طرف سے شور و غل ہوا "اُردو اُردو" اِس سے مجبور ہو کر انھوں نے کچھ جملے اُردو میں ارشاد فرمائے اور اس کے بعد پھر اپنی محبوب زبان انگریزی بولنے لگے۔ اس پر پھر "اُردو۔ اُردو" کا شور و غل ہوا۔ تب آپ نے جل کر فرمایا کہ مسٹر جناح بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔ یہ سن کر قائدِ اعظم اپنی کُرسی پر سے اٹھ کھڑے ہُوئے اور صریح وصاف الفاظ میں فرمایا کہ "سر فیروز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے۔ لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اُردو ہوگی"۔

## ورنہ کوئی اور شاطر ڈھونڈ لیں

سر عبد القادر

دہلی میں مرکزی اسمبلی کے جلسے ہو رہے تھے۔ سر محمد یعقوب مرحوم نے جو اسمبلی کے نائب صدر تھے جناب محمد علی جناح کے اعزاز میں چند دوستوں کو کھانے پر بلایا میں بھی اتفاقاً اس زمانے میں وہاں موجود تھا مجھے بھی انھوں نے یاد فرمایا۔ وہاں اثنائے گفتگو میں جناب محمد علی جناح مرحوم نے قدرے دکھی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا "سیاست کی چالیں شطرنج کی چالوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میری قوم نے ایک طرف تو یہ کام میرے سپرد کیا ہے کہ اُن کی جانب سے میں بطور ایک سیاسی شاطر کے بساطِ شطرنج بچھاؤں اور چالیں چلوں اور دوسری طرف میری قوم اصرار کرتی ہے کہ یہ میں ساتھ ہی بتاتا چلوں کہ یہ چال کیوں چلی گئی۔ تمھیں بتاؤ یہ کھیل اس طرح کھیلا جاسکتا ہے؟ میں نے کہا "نہیں" اس پر انھوں نے فرمایا کہ قوم سے کہہ دیجیے کہ اگر انھیں اپنے شطرنج پر بھروسہ ہے تو مجھے چال چلنے دیں اور مجھ سے ہر چال کا سبب نہ پوچھیں کہ کیوں؟ ورنہ کوئی اور شاطر ڈھونڈ لیں۔"

## بے سوچے الفاظ

عباس احمد عباسی

آخری مرتبہ میں نے قائدِ اعظم کو اُس دن دیکھا جب انھوں نے دس اگست کو دہلی میں آخری پریس کانفرنس بلائی تھی۔ اُن کی کوٹھی کا ایک چھوٹا سا کمرہ بھرپور تھا۔ بلا کی گرمی تھی صرف ایک پنکھا تھا جس کا رُخ قائدِ اعظم کی طرف تھا۔ قائدِ اعظم اُس وقت بہت خوش تھے۔ کیونکہ وہ پاکستان جو دس کروڑ مسلمانوں کی خواب کی تعبیر ہے بن رہا تھا۔ اس دن میں نے اُن کی پہلی مرتبہ پریس کانفرنس دیکھی۔ اُن کے جوابات چبھتے ہوئے تھے ایک ہندو نے اُن سے پوچھا "پاکستان کیا دینی ریاست ہوگی؟" انھوں نے کہا دینی ریاست کا کیا مطلب ہے؟ خواہ مخواہ بے سوچے الفاظ استعمال کرنے سے کیا حاصل؟"

ایک اور شخص نے لقمہ دیا کہ اُن کا مطلب ہے ملاؤں کی حکومت! قائدِ اعظم نے فرمایا: "پنڈتوں کی حکومت کے بارے میں کیا رائے ہے؟" اور قہقہوں سے کمرہ گونج اُٹھا۔

## قائدِ اعظم کو امامت کی دعوت

**اے بی اکرم**

۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے، لوگ بمبئی کی اُس گراؤنڈ میں جو بعد میں کرکٹ میدان کے طور پر استعمال ہوتی رہی، عید الفطر کی نماز کے لیے جمع ہوئے، تو ہمارے ساتھ افغانستان کے سفیر مارشل ولی بھی تھے۔ مارشل شاہ ولی وہ ہیں جنھوں نے افغانستان سے بچہ سقہ کو نکالنے میں اہم کردار ادا کیا اور موجودہ فرمانروائے افغانستان کے والد جنرل نادر شاہ کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ خیر! نمازِ عید الفطر کے اس موقع پر میں نے اور مارشل شاہ ولی نے قائدِ اعظم کو نمازِ عید کی امامت کی دعوت دی۔ لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے اور نماز شاہ ولی نے پڑھائی۔ ہم نے قائدِ اعظم کو یہ دعوت سوچ سمجھ کر دی تھی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات پر اُن کی گہری نظر تھی۔

## جناح صاحب بات نہیں سنتے!

**ممتاز حسن**

اکثر سننے میں آیا ہے کہ جناح صاحب کی طبیعت آمریت کی طرف مائل تھی اور وہ دوسروں کی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قائدِ اعظم کی شخصیت پر اس سے بڑا بہتان تراشا نہیں جا سکتا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ بڑے بڑے لیڈر قسم کے حضرات کو جن کے دِل میں چور ہوتا تھا، اُن سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی اور باہر آ کے کہہ دیتے تھے کہ کیا کریں جناح صاحب بات نہیں سنتے۔ اِس کے برعکس یہ مسلم ہے کہ اگر کوئی غیر معروف شخص بھی اُن کے سامنے اپنے نقطۂ خیال کا اظہار کرنا چاہتا تھا تو اُسے پوری توجہ سے سنتے تھے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ اپنی رائے کے خلاف بھی بات سن سکتے اور سنتے تھے اور ٹھنڈے دِل سے بحث کرنے کو بھی تیار رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر مَیں نے اُن کی رائے سے شدید طور پر اختلاف کیا اور بحث کرتا چلا گیا، انھوں نے بھی مجھ سے بحث کی اور جب میں نے آخر میں اُن سے مؤدبانہ عرض کیا کہ میں اُن کے نقطۂ نظر کا حامی نہیں ہو سکتا تو اُن کے ماتھے پر بل تک نہ آیا۔

## خوشگوار موسم کا پیغام

**کیپٹن ممتاز ملک**

جون ۱۹۴۷ء کے آخر میں مَیں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ کولمبو کے ایک سینما ہاؤس میں فلم دیکھنے گیا۔ وہاں ایک دستاویزی فلم بھی دکھائی گئی جس کا ایک سین قائدِ اعظم کے آخری دورۂ لندن کے بارے میں تھا جس میں قائدِ اعظم

کی آمد دکھائی گئی تھی۔ کم ازکم پچاس ہزار کا مجمع قائدِ اعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند کررہا تھا اور مسلم لیگ کے جھنڈے ہزاروں کی تعداد میں لہرارہے تھے۔ عوام کے اِس اجتماع میں ہیٹ بھی نظر آ رہے تھے اور ترکی ٹوپیاں بھی طرّے جناح کیپ اور ترپوش بھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان ایک انٹرنیشنل قوم ہیں۔ پروٹوکول اُفسر نے جہاز کا دروازہ کھولا۔ ایک دبلا پتلا شخص نمودار ہوا شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہُوئے، سر پر جناح کیپ، یہ قائدِ اعظم تھے۔ اِن کے پیچھے لیاقت علی اور آخر میں سر ادارعبدالرّب نشتر ہیں۔ کیمرے کلک ہورہے ہیں، اور نامہ نگار مسلسل قائدِ اعظم سے اُن کا بیان مانگ رہے ہیں۔ قائدِ اعظم زبانی کچھ نہیں کہہ رہے، ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دے رہے ہیں۔ گینگ وے سے نیچے اترے ہی تھے کہ لندن ٹائمز کا نمائندہ آگے بڑھا اور پوچھا: جناب آپ کیا پیغام لائے ہیں؟ اُس روز لندن میں مطلع صاف تھا اور دھوپ نکلی ہُوئی تھی۔ قائدِ اعظم نے پریس رپورٹر کے اس سوال کا یہ جواب دیا۔

"میں آپ کے لیے خوشگوار موسم لایا ہوں"

اس کے بعد وہ مجمع میں سے ہوتے ہوئے کار کی طرف چل پڑے۔ راستہ خود بخود بنتا گیا۔ کیمرہ مین اور پریس رپورٹرز اُن کے پیچھے تھے۔ حتیٰ کہ مجمع سے نکل کر وہ پروٹوکول کی کار کے نزدیک پہنچ گئے جو انھیں لے جانے کے لیے کھڑی تھی۔ قائدِ اعظم نے کار کے پٹ کا ہینڈل پکڑا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رپورٹر سمجھے وہ بیان دینے لگے ہیں۔ قائدِ اعظم نے رپورٹروں کا شوق اشتیاق بجھانے کے بجائے یہ جملہ بول کر انھیں ہکا بکا کردیا: "اچھا سانھیو! مجھے آج جو بیان آپ کو دینا ہے وہ یہی ہے کہ میں کوئی بیان بھی نہیں دوں گا"۔ یہ کہہ کر قائدِ اعظم کار میں سوار ہو کے چل دیئے۔

## قائدِ اعظم کے ساتھ ایک لمحہ

فرخ امین

پاکستان کی عارضی حکومت کے قیام کے چار دِن بعد ۲۳ جولائی ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں حکم مِلا کہ میں ٹھیک دس بجے محمد علی صاحب سیکرٹری جنرل سے ملوں۔ میں وقتِ مقررہ پر پہنچا اور انھوں نے مجھے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری منتخب کر کے قائدِ اعظم کی خدمت میں پہنچنے کا حکم دیا۔ میں زندگی کے اِس غیر معمولی تغیر پر مسرور بھی تھا اور کسی قدر پریشان بھی۔ مسرور تو اِس لیے کہ کسی مسلمان کے لیے اِس سے بڑی عزت کی بات اور

کیا ہوسکتی ہے کہ اُسے قوم کے معمار اور مملکت کے بانی قائدِ اعظم کی خدمت کا موقع ملے لیکن اِس مسرت کے ساتھ مجھے تھوڑی سی پریشانی بھی تھی۔ اب تک میں نے قائدِ اعظم کو دورے، جلسوں، منبروں اور اسمبلی کے ایوانوں میں دیکھا تھا اور اُن کا گرویدہ تھا لیکن اتنی بڑی ہستی سے اِس قدر قریب ہونا ذرا مختلف بات تھی اور اِسی لیے جب مَیں نمبر ۱۰- اورنگ زیب روڈ کی طرف جارہا تھا تو میری رفتار میں ایک عجیب قسم کی ہچکچاہٹ تھی۔ وہاں پہنچ کر اپنا کارڈ بھجوایا۔ شاید میرے پہنچنے کی اطلاع قائدِ اعظم کو پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ مجھے فوراً اندر طلب فرمایا اور میں ذراسی دیر میں قائدِ اعظم کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ لمحہ میری زندگی کا اہم ترین لمحہ ہے۔ قائدِ اعظم صوفے پر تشریف فرما تھے اور سگا پی رہے تھے۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ گھبراہٹ اب بھی مجھ پر غالب تھی اور میں سوچ رہا تھا خدا جانے قائدِ اعظم مجھ سے کیا خدمت لیں گے۔ لیکن قائدِ اعظم کے مخصوص مشفقانہ انداز نے بہت جلد میری گھبراہٹ ختم کردی۔ پہلے انھوں نے مجھ سے میری ذات، میری ملازمت اور میرے کراچی جانے کے متعلق کچھ سوالات پوچھے اور پھر خطوں اور تاروں کے اُس ڈھیر کی طرف جو گورنر جنرل کے تقرر پر دنیا کے مختلف حصوں سے قائدِ اعظم کے پاس آئے تھے اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا:

"کیا تم مہربانی کرکے اِس پر نظر ڈالو گے؟" یہ بات قائدِ اعظم نے ایسے لہجے اور انداز میں فرمائی کہ جو تھوڑی بہت گھبراہٹ اب تک مجھ پر طاری تھی وہ یک لخت رخصت ہو گئی۔

## وائی ایم سی اے کی مثال

فرخ امین

۱۴ اگست کو جب دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا تو قائدِ اعظم نے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اسمبلی کا یہ اجلاس کراچی میں اُن کی پہلی سرکاری مصروفیت تھی۔ سڑک کے دونوں طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ فضا قائدِ اعظم زندہ باد، پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھی اور میری آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ اِس دل افروز منظر سے قائدِ اعظم بھی متاثر تھے۔ انھوں نے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا: "ہمارے پاس انسانی قوت کا کتنا شاندار سرمایہ ہے۔ اگر ہم اِس کے جوش کو صحیح راہوں پر لگا سکیں، تو پاکستان یقیناً دنیا کی نمایاں مملکتوں میں سے ایک ہو گا۔"

اب ہم اسٹریچن روڈ پر وائی ایم سی اے کی عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اِس عمارت کو

دیکھ کر قائدِ اعظم نے فرمایا: "وائی ایم سی اے تنظیم کی ایک بڑی اچھی مثال ہے۔ تھوڑے سے آدمیوں نے دنیا کے کونے کونے میں اس کی شاخیں قائم کرلی ہیں۔" اس کے بعد باتوں باتوں میں قائدِ اعظم پارسیوں کے متعلق فرمانے لگے کہ یہ تھوڑے سے لوگ محض اپنی جانفشانی اور تنظیم کی بدولت عزت اور دولت دونوں کے مالک ہیں اگر ہم بھی اپنے لوگوں کو صحیح تربیت دے کر منظم کر سکیں تو ہم حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔"

## انسانی کردار کی انتہائی پستی

فرخ امین

قائدِ اعظم سے میرے تعلقات محض ایسے نہیں تھے جو گورنر جنرل اور اُس کے اسٹاف کے درمیان ہونے چاہئیں۔ بے تکلفی کے لمحوں میں قائدِ اعظم شفقت اور کرم کا مجسمہ ہوتے تھے۔ خصوصاً ایسے لمحوں میں مجھ پر اُن کے الطاف بے پایاں ہوتے تھے۔ اکثر مجھے یہ سعادت نصیب ہوتی کہ وہ مجھ سے اپنے خیالات اور رجحانات کے متعلق فرمانے لگتے۔ ہم لوگ لاہور میں تھے۔ ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہوگئی تھیں۔ اسی زمانے میں قائدِ اعظم ایک دن فرمانے لگے کہ مسلمان قوم کی ایک بہت بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں کو خود ہم ہی میں سے ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو آسانی سے اُن کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر زیارت میں ایسے مسلمان گفتگو کا موضوع بن گئے جنھوں نے جنگ کے زمانے میں جنگی ملازمتیں کر لیں اور اپنے انگریز افسروں کو خوش کرنے کی اُمید میں شراب خوری کے عادی بن گئے۔ اِس سلسلے میں قائدِ اعظم نے فرمایا کہ:

"یہ انسانی کردار کی انتہائی پستی ہے کہ وہ ایسی رکیک حرکتیں کر کے دوسروں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ جو کام اُن کے سپرد کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اُسے قابلیت کے ساتھ اور اچھی طرح انجام دیں۔ دیر یا سویر اُن کی محنت کا انعام ضرور ملتا ہے۔ کوئی آقا یا حکومت کسی مستحق ملازم کو ترقی کرنے سے ہرگز نہیں روک سکتی۔ اگر سرکاری ملازم اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اونچے مرتبے یا ترقی حاصل کرنے کے لیے سفارشوں اور سازشوں سے کام لینا چھوڑ دیں تو اعزّہ پروری اور دوست نوازی کا خاتمہ ہو جائے اور ہماری سیاسی زندگی کہیں زیادہ صحت مند عناصر سے معمور ہو جائے۔"

## پہلے صحیح فیصلہ، پھر عمل

ہیکٹر بولائیتھو

اپنی سیاسی زندگی میں قائدِ اعظم نے سستی شہرت اور نام و نمود کی خواہش نہیں کی۔ قائدِ اعظم وہی کچھ کرتے تھے جسے وہ درست سمجھتے تھے۔ قطع نظر اس امر کے کہ عوام کو وہ پسند ہے یا ناپسند۔ ایک دفعہ انھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا تھا: "تم پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہو کہ عوام کو کیا یہ پسند ہوگا اور پھر اُن کی پسند کے مطابق عمل کرتے ہو۔ لیکن میرا طریقۂ عمل بالکل مختلف ہے۔ پہلے میں فیصلہ کرتا ہوں، کہ صحیح کیا ہے؟ درست کیا ہوگا؟ اور پھر اُس پر عمل شروع کر دیتا ہوں۔ لوگ میرے گرد جمع ہونے لگتے ہیں اور مخالفت غائب ہو جاتی ہے۔"

## قانون کا احترام

ہیکٹر بولائیتھو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے جب ایک شام قائدِ اعظم سے اپنے چند استادوں کے خلاف شکایت کی تو قائدِ اعظم نے دریافت کیا: "تم میں سے کس کس کی سائیکل پر لیمپ ہے؟" قائدِ اعظم نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم دوسروں پر اُس وقت تک نکتہ چینی نہیں کر سکتے جب تک کہ خود قانون کا احترام نہ سیکھو۔"

## وکالت کرنے کا مشورہ

ملک افتخار علی

بابائے قوم سے میری دوسری ملاقات ۱۹۴۴ء میں سری نگر میں ہوئی جہاں قائدِ اعظم چند دن آرام کرنے کے لیے گئے تھے اور جھیل ڈل میں ایک ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن کے میزبان خواجہ غلام احمد تھے۔ جن کی سری نگر میں جیولری کی دکان تھی۔ قائدِ اعظم خواجہ غلام احمد کی دکان پر قریب قریب ہر روز جا کر بیٹھا کرتے تھے اور اُن سے باتیں کیا کرتے تھے۔ میں ایم اے پولیٹیکل سائنس کا امتحان دینے کے بعد دو ہفتوں کے لیے سری نگر گیا ہوا تھا اور خواجہ غلام احمد ہی کا مہمان تھا۔ اُن سے جب قائدِ اعظم کو حال معلوم ہوا کہ میں برکت علی مرحوم کا صاحبزادہ ہوں تو انھوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ میں اُن سے ملوں۔ قائدِ اعظم نے مجھے اگلے دن پونے ایک بجے کا وقت دیا تھا۔ بد قسمتی سے مجھے ڈل کے دوسرے کنارے پہنچنے کے لیے کشتی پر

وقت نہ مل سکی اور میں جب قائداعظم کے ہاؤس بوٹ پہنچا تو ایک بج چکا تھا۔ قائدِاعظم بوٹ کے زینے سے اُتر رہے تھے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا:

"تم پندرہ منٹ لیٹ ہوگئے ہو"

مجھے اپنے پاس کے صوفے پر بٹھایا اور بڑے مشفقانہ انداز میں باتیں شروع کردیں۔ میں نے بتایا کہ میں ایم اے کا امتحان دے چکا ہوں اور تفریح کے لیے سری نگر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا "وکالت کرو" اور میں اب تک اپنے آپ سے کہا کرتا ہوں کہ کاش میں نے بابائے قوم کا مشفقانہ مشورہ مان لیا ہوتا۔ اِس کے بعد انہوں نے پوچھا کیا میں نے آج صبح کا اخبار پڑھا ہے اور جب مَیں نے عرض کیا کہ آج کل آرام کر رہا ہوں اِس لیے شام کا اخبار پڑھتا ہوں تو ارشاد ہوا کہ اخبار ہمیشہ صبح سویرے پڑھا کرو۔

## دستخطوں کا ناجائز استعمال

ملک افتخار علی

میں نے پہلی مرتبہ بابائے قوم حضرت قائدِاعظم محمد علی جناح کو ۱۹۳۶ء میں دیکھا جب وہ پنجاب میں مسلم لیگ کی ضلعی کمیٹیوں کے قیام کی خاطر تنظیمی کمیٹی قائم کرنے کے مقصد سے لاہور تشریف لائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ قائداعظم عین اُس موقع پر لاہور تشریف لائے جب میرے بڑے بھائی ملک شوکت علی کی شادی رچائی جارہی تھی۔ میرے والد مرحوم ملک برکت علی نے حضرت قائدِاعظم کو دعوتِ ولیمہ میں شرکت کرنے کے لیے خاص طور پر دعوت دی جو انھوں نے قبول فرمالی۔ قائدِاعظم عین وقت پر تشریف لے آئے۔ اُس وقت بمشکل ایک درجن کے قریب مہمان تھے جو بابائے قوم کو پہچانتے تھے۔ جب قائدِاعظم رخصت ہونے لگے تو مجھے بڑی شخصیتوں کے آٹوگراف بک پر دستخط لینے کا بہت شوق تھا۔ مگر میرے پاس آٹوگراف بک موجود نہ تھی۔ اس لیے میں ایک سادہ کاغذ کا ٹکڑا لیے ڈیوڑھی میں پہنچ گیا جہاں والد مرحوم اُن کو رخصت کر رہے تھے اور جب میں نے دستخطوں کے لیے کاغذ کا ٹکڑا پیش کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر دستخط کرنے سے انکار کردیا کہ انھوں نے آج تک کسی سادہ کاغذ پر دستخط نہیں کیے۔ اس موقع پر میرے والد مرحوم نے انہیں بتایا کہ میں کون ہوں۔ چنانچہ قائدِاعظم نے کاغذ کے ٹکڑے پر دستخط تو فرما دیئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ "برخوردار! مجھے تم سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ میرے اِن دستخطوں کا کبھی ناجائز استعمال نہ کرنا"

# اسمبلی کی صدارت

محمدؐ یونس

قائدِ اعظم پاکستان مجلسِ دستور ساز کے پہلے اجلاس کی صدارت کے لیے سندھ صوبائی اسمبلی کے ہال میں تشریف لائے۔ دستور یہ کا یہ اجلاس مختصر تھا۔ اس میں ایک دلچسپ لطیفہ ہُوا۔ قائدِ اعظم نے غالباً طریقِ کار کی کسی تحریک پر ایوان کی رائے مروّج طریقے کی بجائے خاص کاروباری طریقے سے کی۔ عام طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی تحریک پیش ہوتی ہے تو اجلاس کا صدرِ ایوان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

As many as are in favour of the motion say 'aye'.

(جو ارکان تحریک کے حق میں ہیں وہ آئی یعنی ہاں کہیں) موافق ارکان آئی کی آواز بلند کرتے ہیں۔

پھر صدر ایوان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

As many as are against the motion say 'no'.

(جو ارکان تحریک کے خلاف ہیں وہ نو یعنی نہیں کہیں) مخالف ارکان نو کی آواز بلند کرتے ہیں۔

صدر دونوں موافق اور مخالف آوازوں سے اندازہ لگا لیتا ہے کہ ارکان کی اکثریت کس طرف ہے اور موافق ارکان زیادہ ہوں تو صدر پہلے دائیں، پھر بائیں اور پھر سامنے رُخ کر کے تین دفعہ اعلان کرتا ہے:

I Think 'ayes' have it.

(میرا خیال ہے موافق ارکان جیت گئے۔) مخالف ارکان کی اکثریت ہو تو ‌ کے بجائے ‌ کہا جاتا ہے۔ آوازوں سے صحیح اندازہ نہ لگ سکے یا صدر کے زبانی فیصلے سے مخالف ارکان کو اختلاف ہو تو رائے شماری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اِس صورت میں موافق اور مخالف ارکان "ہاں" اور "نہیں" کی لابیوں میں بٹ جاتے ہیں اور اُن کی گنتی کر کے اعلان کیا جاتا ہے کہ کون جیتا۔

قائدِ اعظم نے اِس طویل طریقے کے بجائے بالکل سیدھے طریقے سے اعلان کیا:

(آپ میں سے جو ارکان تحریک کے حق میں ہیں وہ مہربانی کر کے اپنے ہاتھ کھڑے کریں۔)

اس پر ایوان میں قہقہہ بلند ہوا جس پر قائدِ اعظم نے انگریزی میں بڑی شگفتگی سے کہا:

"آپ جانتے ہیں میں نے کبھی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت نہیں کی"
قائدِ اعظم نے اسمبلی کی صدارت پہلی اور آخری بار کی تھی۔

## مشورے کا جواب

محمد یونس

جلوس کے اختتام پر اسمبلی ہال میں انتقالِ اقتدار کی تقریب ہوئی۔ اس میں لارڈ مونٹ بیٹن نے پاکستانیوں کو اپنے سفید فام جسم میں ہزار کدورتوں اور خیانتوں کی سیاہیاں چھپائے یہ مشورہ دیا کہ وہ نئی مملکت میں عدل و انصاف اور رواداری کی وہ روائتیں قائم کریں جو مغل بادشاہ اکبر نے قائم کی تھیں۔ قائدِ اعظم نے اپنی جوابی تقریر میں مونٹ بیٹن کے اس مشورے کو للکارے بغیر نہ جانے دیا۔ انھوں نے بڑے باوقار انداز میں فرمایا کہ عدل و انصاف اور رواداری کی روائتیں ہمیں اس سے بہت پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی تھیں۔

## آپ جہاں ہیں اور جس جگہ ہیں....

منظور طارق م

وہ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کی ایک سرد صبح تھی۔ قائدِ اعظم اُن دنوں کوئٹہ میں سریاب پھاٹک کے قریب ایک بنگلے میں مقیم تھے۔ میں جونہی بنگلے میں داخل ہوا، میری ملاقات قائدِ اعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری جناب خورشید سے ہوئی۔ مجھے خورشید صاحب نے بتایا کہ قائدِ اعظم اِن دنوں تبدیلی آب و ہوا کے لیے کوئٹہ آئے ہوئے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ لنچ سے پہلے کوئی اُن سے نہ ملے۔ مجھے معلوم تھا: لنچ کے بعد بھی قائدِ اعظم سے ملاقات ممکن نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اُن سے کئی سیاسی وفود ملاقات کرنے والے تھے۔ میں مایوس ہو کر لوٹنے ہی والا تھا کہ اچانک قائدِ اعظم شب خوابی کے لباس میں برآمدے میں نظر آئے۔ انھوں نے فرمایا: what is going on Khurshid (خورشید کیا ہو رہا ہے؟) خورشید نے جواب دیا: "سر یہ صاحب مصر ہیں کہ وہ آپ کے دستخط لے کر ٹلیں گے۔ میں انھیں سمجھا رہا ہوں لیکن یہ...." ابھی خورشید صاحب کا یہ جملہ اُدھورا ہی تھا کہ وہی آواز پھر اُبھری: "انھیں اندر آنے دو"

میں غلام گردشوں سے ہوتا ہوا ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا۔ قائدِ اعظم اپنی ہمشیرہ محترمہ کے ساتھ ایک صوفے پر دراز تھے۔ اُن کے دائیں ہاتھ میں کوئی اخبار تھا۔ جیسے ہی انھوں نے مجھے دیکھا اور السلام علیکم کہتے

میں سنت کی اور اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اُن کے اور میرے درمیان جو بات چیت ہوئی۔ وہ کچھ یوں تھی۔

قائد اعظم : نوجوان تمھیں علم ہے، میں نے لنچ سے پہلے ملنے پر پابندی لگائی ہے۔ آپ کو ڈسپلن کی پابندی کرنی چاہیے تھی۔

مَیں : آپ درست فرماتے ہیں قائد اعظم! لیکن میری نا سمجھی اور جذبۂ شوق مجھے یہاں تک کھینچ لایا۔ مَیں جانتے ہی تھا کہ آپ کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور آپ نے بلایا۔

قائدِ اعظم : کیا چاہتے ہو؟

مَیں : آپ کے دستخط (آٹو گراف) لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

قائد اعظم : کیا کام کرتے ہو؟

مَیں : جی میں سرکاری ملازم ہوں۔

قائد اعظم : پاکستان اور مسلم لیگ کے لیے کیا کر رہے ہو؟

مَیں : حضور قائد اعظم! پاکستان تو ہمارے رگ و ریشے میں بس چکا ہے اور انشا اللہ آپ کی ولولہ انگیز قیادت میں ہم اُسے حاصل کر کے دم لیں گے۔ جہاں تک مسلم لیگ کی خدمت کا تعلق ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ مَیں سرکار برطانیہ کا ملازم ہوں اور کسی سیاسی تحریک میں عملاً حصّہ نہیں لے سکتا۔

قائد اعظم : آپ جہاں ہیں اور جس جگہ ہیں محنت اور ایمانداری سے کام کیجیے۔ انشا اللہ پاکستان بن کر رہے گا۔ لہٰذا آپ کو پاکستان کا مفید شہری بنانے کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دیجیے۔ کہاں ہے آپ کی آٹو گراف بک۔

مَیں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی آٹو گراف بک قائدِ اعظم کے روبرو رکھ دی اور اُس صدی کے عظیم انسان نے نہایت واضح اور موتیوں کی طرح جڑے ہوئے الفاظ پر مشتمل "ایم اے جناح" لکھ کر اُسے مجھے واپس لوٹا دیا۔

## ماؤنٹ بیٹن کا غصّہ

### چوہدری محمد علی

ماؤنٹ بیٹن کے جذبات کس قدر شدید تھے، اِس کا اندازہ مجھے اُس وقت ہوا جب ایک روز وہ

وائس رائے ہاؤس کے اُس کمرے میں دَرّانہ وار داخل ہوا جس میں قائداعظم آزادی کے بل پر لیاقت علی خاں اور میرے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اُس نے قائداعظم پر دلائل، پُرجوش التجاؤں اور دھمکیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ایک ہنگامے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُس نے کہا: "مشترک گورنر جنرل کی تجویز اعلیٰ ترین محرکات پر مبنی ہے، اور پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔ مشترک گورنر جنرل کے بغیر پاکستان سنگین نقصانات سے دوچار ہو گا پاکستان کے حقوق کے حصول میں مجھے بڑی دشواری پیش آ رہی ہے۔ جب تک مجھے یہ خبر نہ ہو کہ ۱۵ اگست کے بعد بھی تقسیم سے پہلے کے مقام پر فائز رہوں گا، پاکستان کی مدد نہ کر سکوں گا۔ پاکستان کے لامحدود نقصان کی ذمہ داری جناح کے کندھوں پر ہو گی۔" اُس نے دھمکی دی کہ "میں سارے معاملے کو پبلک میں لے آؤں گا تاکہ دنیا خود فیصلہ کرے۔" اس نے بڑے تیقّن سے کہا: "تاریخ کا فیصلہ میرے حق میں اور جناح کے خلاف ہو گا۔" وہ بار بار کہتا رہا کہ یہ بات بے حد حیران کن ہے کہ مشترک گورنر جنرل بنانے پر اعتراض کانگرس نے نہیں کیا پاکستان نے کیا۔" جناح نے مونٹ بیٹن کے تابڑ توڑ حملے بڑے وقار اور صبر و تحمل سے برداشت کیے۔ اور جواب میں بس اتنا کہا:

"اِس فیصلے کے پیچھے کوئی شخصی محرک کار فرما نہیں۔ بلکہ اپنی قوم کے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مثبت قدم اُٹھایا ہے۔"

قائداعظم نے مونٹ بیٹن کو یقین دلایا کہ "مجھے تمہارے اخلاص اور غیر جانبداری پر پورا یقین اور اعتماد ہے۔" اور اپنی تجویز پھر پیش کی کہ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا دیا جائے۔ لیکن قائداعظم کی طرف سے یقین واعتماد کا یہ اظہار مونٹ بیٹن کی مجروح خود پسندی پر تسکین کا کوئی پھاہا نہ رکھ سکا۔

اِس کے بعد تقسیم کے مسائل اور پاکستان کے متعلق اُس کے طرزِ عمل میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ اُس نے ماضی میں جناح کو بڑی مشکل سے گوارا کیا تھا۔ اب وہ علانیہ دشمنی پر اُتر آیا۔

## قائداعظم پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، کانجی دوارکاداس

جنوری ۱۹۲۸ء میں قائداعظم انگلستان چلے گئے۔ اُن کی محبت رتی کو بھی انگلستان کھینچ لے گئی۔ جہاں وہ بیمار پڑ گئیں۔ رتی کی والدہ نے انہیں پیرس کے ایک نرسنگ ہوم میں داخل کرا دیا۔ قائداعظم فوراً پیرس پہنچے، اور اُسی نرسنگ ہوم میں قیام پذیر ہوئے جس میں رتی زیرِ علاج تھیں۔ وہ بیوی کی دلجوئی کرتے۔ اُن کے ساتھ وہی

پرہیزی کھانا کھاتے جو ڈاکٹروں نے رتی کے لیے تجویز کیا تھا۔

جب رتی وفات پاگئیں تو تدفین کے وقت یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہی کہ جناح کا دل رو رہا ہے اور بے محل گفتگو کر کے اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سب اُس وقت تک ہوتا رہا جب تک جنازہ قبر کے پاس رکھا تھا۔ لیکن جب رتی کی لاش قبر میں اتاری گئی اور جناح صاحب سے مٹی دینے کے لیے کہا گیا تو ضبط کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔

## گاندھی سے مُلاقات کی شرط

کانجی دوارکا داس

یہ پروپیگنڈا عام ہے کہ قائدِ اعظم اتنے مغرور اور متکبر تھے کہ گاندھی جی سے ملنے کے لیے کبھی اُن کی قیام گاہ پر نہ جاتے بلکہ اس امر پر اصرار کرتے کہ گاندھی خود اُن سے آکر ملیں۔ اصل بات یہ تھی کہ جب بھی جناح صاحب گاندھی جی سے ملاقات کی خاطر اُن کی قیام گاہ پر گئے۔ تو اُن کا کوئی نہ کوئی سیکرٹری گفتگو میں مخل ہو جاتا اور بعض اوقات تو یہ مداخلت انتہائی معمولی اور مضحکہ خیز کاموں کے سبب ہوتی یا پھر اُن کی کوئی بہو ساس کی شکایت لے کر آجاتی۔ اِس صورت میں اطمینان سے بات چیت کیسے ممکن ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ جناح صاحب گاندھی جی کو اپنی قیام گاہ پر بلانے کے لیے اصرار کیا کرتے تھے۔ ایک بار اس ضمن میں گاندھی جی سے کچھ لوگوں نے استفسار کیا تو انھوں نے اِس امر کا اعتراف کیا کہ واقعی صورتِ حال کچھ اس قسم کی ہو جاتی ہے۔

## لنکنس اِن کی فضیلت

نواب صدیق علی خان

یہ واقعہ خود قائدِ اعظم نے ۱۹۴۷ء میں کراچی کلب کی ایک تقریب میں سنایا تھا۔ انھوں نے بتایا:

"میں نے بیرسٹری کے لیے "لنکنس اِن" میں محض اِس لیے داخلہ لیا تھا کہ اُس کے صدر دروازے پر دنیا کے ممتاز قانون سازوں کی فہرست میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی بھی شامل تھا۔"

## بیٹی سے علیحدگی

نواب صدیق علی خاں

قائدِ اعظم کو اولاد کا سکھ اِس لیے دیکھنا نصیب نہ ہوا کہ ماں کے انتقال کے بعد صاحبزادی ہمیشہ نانی کے ساتھ رہیں۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے بعد اُن کا مذہب بھی اختیار کرلیا۔ باپ کی بڑی خواہش تھی کہ بیٹی کا عقد کسی مسلم نوجوان کے ساتھ ہو مگر جب بیٹی نے بمبئی کے ایک پارسی نوجوان نیول واڈیا سے شادی کرلی تو انھیں سخت ذہنی کوفت ہوئی۔ اُن کے قانونی اور مذہبی دماغ نے فوراً اِس کا حل تلاش کرلیا۔ شرع کے مطابق اپنی اکلوتی بیٹی سے ایسی علیحدگی اختیار کی کہ پھر زندگی بھر اُس کا منہ نہ دیکھا، یہاں تک کہ میت پر بھی اُس کا سایہ نہ پڑا۔

## جناح، گاندھی اور نہرو

لیو نارڈ موسلے

ایک بار کسی اخباری رپورٹر نے گاندھی سے پوچھا:

"آپ کی پالیسی کیا ہے؟"

گاندھی نے اپنی پالیسی کو پانچ مختصر فقروں میں بیان کیا۔ رپورٹر نے جب ان پر تنقیدی نظر ڈالی تو معلوم ہوا ہر فقرہ دوسرے کی تردید کرتا ہے۔ اِسی طرح پنڈت نہرو کے لکھنے اور بولنے کا ایک خاص انداز تھا۔ اِس میں صداقت تو ضرور ہوتی لیکن وہ اِس صداقت سے فرار کی کوئی نہ کوئی راہ رکھ لیتا۔

اِس کے برعکس جناح کا جواب دو ٹوک، واضح اور برمحل ہوتا اور سننے والا اِس سے مطمئن ہو جاتا۔

## غیر معروف وکیل کا رُعب

۱۹۰۳ء کا ایک ایسا واقعہ جب کہ وہ ابھی ایک غیر معروف وکیل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے اُن کے لیے کافی اہم ثابت ہوا۔ بمبئی ہائیکورٹ میں کسی بہت بڑے مقدمہ کی سماعت ہورہی تھی۔ کمرہ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے پریذیڈنٹ مسٹر میکڈانلڈ کو بھی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے وکیلوں کی مخصوص جگہ میں ایک کرسی پر بیٹھنا پڑا۔ ظاہر ہے ان دنوں انگریز افسروں کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ مسٹر جناح جب آئے تو کہیں جگہ نہ پاکر سیدھے مسٹر میکڈانلڈ کے پاس پہنچے اور اُن سے کرسی خالی کرنے کے لیے کہا۔ اُن کے انکار پر مسٹر جناح بہت برہم ہوئے اور عدالت کے سررشتہ دار سے مسٹر میکڈانلڈ کو وکیلوں کی مخصوص جگہ سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ وہ بیچارہ بہت پریشان ہوا۔ اس کی ہچکچاہٹ دیکھی تو آپ نے لکا کر مسٹر میکڈانلڈ کو جگہ خالی کرنے کے

لیے نہ کہا تو مَیں جج سے تمہاری شکایت کر دوں گا۔ وہ بیچارہ مجبوراً مسٹر میکڈانلڈ کے سامنے حاضر ہوا اور انھیں جگہ خالی کرنی پڑی۔ اُٹھتے ہوئے انھوں نے مسٹر جناح کا نام پوچھا اور اُن سے اتنا متاثر ہوئے کہ اُن کو ایک ہزار روپیہ ماہوار پر کارپوریشن کا قانونی مشیر مقرر کر لیا اور ساتھ ہی پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت بھی دی۔

## قائدِاعظم کے آنسو

بیگم عبداللہ ہارون

تقسیم کے فوراً بعد ایک موقع پر جب وہ کراچی کے ہوائی اڈے پر اترے تو لوگوں نے انھیں دیکھ کر قائدِاعظم زندہ باد کے نعرے لگائے۔ قائدِاعظم نے ہاتھ ہلا کر عوام کے اِس خلوص کا جواب دیا، جسے سب نے دیکھا۔ لیکن اُن کی آنکھوں سے بہتے ہوئے اُن آنسوؤں کو کسی نے بھی نہ دیکھا جو عوام کے خلوص سے متاثر ہو کر انھوں نے نذرِ عقیدت کے طور پر پیش کیے تھے۔ اِن آنسوؤں کو اگر کسی نے دیکھا تھا تو وہ مَیں تھی یا محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔

## دنیا کا مصروف ترین انسان

محمدؐ حنیف آزاد

میں نے قائدِاعظم کے موٹر ڈرائیور کی حیثیت سے زندگی کے پانچ اہم سال گزارے ہیں۔ اِن پانچ برسوں میں مَیں نے بہت کچھ سیکھا ہے، بہت کچھ دیکھا ہے اور مجھ پر یہ راز بھی کھلا ہے کہ صحیح معنوں میں قوم کی رہنمائی کرنا کتنا مشکل ہے۔ مَیں نے قائدِاعظم کو رات ڈھلے تک کام کرتے دیکھا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ لیکن جیسے ہی انھیں کسی کام کا خیال آیا وہ فوراً بستر سے اُٹھ کر کام میں مصروف ہو گئے۔ میں نے قومی کاموں میں انھیں جس قدر منہمک پایا ہے۔ اُسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں یہ کہتا ہوں:

"وہ مغرور نہیں بلکہ مصروف انسان تھے، غالباً دنیا کے مصروف ترین انسان۔"

## بے اصول ایڈیٹر سے نفرت

محمدؐ حنیف آزاد

ٹائمز آف انڈیا کے ایک ایڈیٹر نے بے اصولی کی بدترین مثال پیش کرتے ہوئے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف انتہائی توہین آمیز اداریہ لکھا تھا۔ عربیک کالج کے ایک جلسے میں قائدِاعظم کی نظر اُس ایڈیٹر پر پڑ گئی۔ انھوں نے جلسہ گاہ میں داخل ہوتے ہی اُس ایڈیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"آپ باہر تشریف لے جائیے میں مسلم لیگ کے جلسے میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھنا چاہتا جس کا کوئی اصول نہ ہو۔"

## میری شادی جناح نے کرائی — محمد حنیف آزاد

میری شادی بھی قائدِ اعظم نے کرائی تھی۔ یہ واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ ہوا یہ کہ ایک رات میں خاصی دیر سے گھر لوٹا۔ قائدِ اعظم نے جو پاؤں کی آہٹ سنی تو باہر آ گئے اور مجھ سے پوچھا:

"اتنی رات گئے تک کہاں تھے؟"

میں خاموش ہو گیا۔ جھوٹ اس لیے نہیں بول سکتا تھا کہ قائدِ اعظم جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ مجھے خاموش دیکھ کر انھوں نے کہا:

تمہاری شادی کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

پھر وہ اندر چلے گئے۔ اس واقعہ کے چند ہی دنوں بعد ۱۹۴۰ء میں میری شادی کرا دی گئی۔

## صاحب، اب ہم پاکستان بنائیں گے۔ — نصیر احمد طالبؔ

غالباً پاکستان بننے سے سات آٹھ ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ اُس وقت میری عمر چھ سال کے قریب رہی ہوگی۔ ہمارے شہر میں انگریز بہت زیادہ تعداد میں آباد تھے۔ شہر سے الگ ہٹ کر ان کی آبادی تھی۔ یہ لوگ سارا دن اپنی کوٹھیوں میں رہتے اور شام کو اپنے بچوں کے ساتھ سیر کے لیے نکلا کرتے۔ ہمارا معمول تھا کہ شام کو ان راستوں پر جا کر بیٹھ جاتے جہاں سے انگریز چہل قدمی کرتے ہوئے گزرا کرتے تھے۔ جب وہ اپنے بچوں کے ساتھ ہمارے پاس سے گذرتے تو ہم اپنے ہاتھ اُٹھا کر انھیں سلام کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اُن کے سامنے پھیلا دیتے۔ "صاحب بخشش!"

جیسے ہی ہمارے ہاتھ انگریزوں کے سامنے پھیلتے وہ ایک عجیب قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری ہتھیلیوں پر ایک ایک پیسہ رکھ دیتے۔ پھر ہماری طرف نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ انگریزوں سے ایک پیسہ وصول کرنے کے بعد ہم لوگ خوش ہوتے اور شور مچاتے آگے بڑھ جاتے۔

یہ ہمارا روز کا معمول تھا۔

لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا۔ ہم لوگ جو دن بھر محض کھیل کود میں گزار دیا کرتے تھے۔ سارا سارا دن کچھ نئے نئے اور انجانے سے نعرے لگانے لگے: "مسلم لیگ زندہ باد"۔ "قائداعظم زندہ باد"۔ "سینے پہ گولی کھائیں گے پاکستان بنائیں گے۔"

قائداعظم کون تھے؟ یہ نعرے کیا تھے؟ اِن کے معنی کیا تھے؟ اس کا ہمیں کوئی علم نہ تھا۔ ہم تو بس یہ جانتے تھے کہ ان نعروں سے ہمارے اندر جوش اور ولولہ سا پیدا ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم لوگ اپنی ساری قوت کے ساتھ دِن بھر چیخ چیخ کر یہ نعرے لگاتے رہتے۔

ایک دن شام کے وقت ہم پانچ چھ لڑکے ایک سڑک پر نعرے لگاتے گزر رہے تھے کہ اچانک ہمیں سامنے سے چند انگریز اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ انھیں دیکھ کر ہم رک گئے اور خاموش ہو کر اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ ہمارے نزدیک پہنچ کر انگریز بھی رک گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ حسبِ معمول اب ہم انھیں سلام کریں گے اور اُس کے بعد ہاتھ پھیلا کر اُن سے بخشش طلب کریں گے۔ لیکن خلافِ توقع نہ ہم نے انھیں سلام کیا اور نہ ہی اُن کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ اس پر انھیں تعجب ہوا، اور اُن میں سے ایک انگریز نے آگے بڑھ کر ہم سے پوچھا: "آج تم نے ہم کو سلام نہیں کیا؟" "نہیں صاحب اب ہم تمھیں سلام نہیں کریں گے، اور تم سے بخشش بھی نہیں مانگیں گے۔" "کیوں تم سلام کیوں نہیں کرو گے؟" صاحب! اب ہم پاکستان بنائیں گے۔"

یہ جواب سن کر انگریزوں کے چہرے سُرخ ہو گئے۔ اُن میں سے ایک انگریز آگے بڑھا اور اُس نے ہمارے ساتھی کو بازو سے پکڑ کر کہا: "سلام کرو"۔ "صاحب ہم لوگ اب سلام نہیں کریں گے۔" "سلام کرو" انگریز نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ "نہیں"، ہمارے ساتھی نے اکڑ کر جواب دیا۔ یہ جواب سن کر انگریز کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور اُس نے طیش میں آکر ہمارے ساتھی کے گال پر کئی طمانچے جڑ دیئے۔ ہمارا ساتھی رونے لگا۔ انگریز نے کہا "سلام کرو" ہمارے ساتھی نے آستین سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے جواب دیا "میں سلام نہیں کروں گا" ہمارے ساتھی کے تیور دیکھ کر اُس انگریز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ وہ چند لمحوں تک ہمارے ساتھی کو گھورتا رہا۔ پھر اپنے دوستوں کے ساتھ ایک طرف کو چلا گیا۔

## مہاتما اور زہریلا ناگ

کیپٹن ممتاز ملک

بھارت کے باپو مہاتما گاندھی تمام آخری عمر صبح سویرے اپنے معتقدین کی مجلس منعقد کر کے انھیں بھاشن دیا کرتے تھے۔ ایک بار اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ گاندھی جی اسی طرح کُٹیا کے باہر بھاشن دے رہے تھے کہ سامنے کے باغیچے میں سے ایک بہت بڑا کالا زہریلا ناگ نکلا، اور رینگتا ہوا سیدھا گاندھی جی کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ بہت نزدیک آگیا تو گاندھی جی نے بھی اُسے دیکھ لیا مگر اُنگلی کے اشارے سے سب کو منع کر دیا کہ وہ ہراساں نہ ہوں اور نہ ناگ کو مارنے کی کوشش کریں۔ ناگ گاندھی جی کے گھٹنوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔ پہلے اُس نے پھن اُٹھا کر دائیں بائیں حرکت کی اور پھر پھن سکیڑ کر رینگتا ہوا، دوسری طرف چل دیا اور باغیچے کے دوسرے حصّے میں گھُس کر غائب ہو گیا۔

چند ہی دن کے بعد حضرت قائدِاعظم سے ملاقات کے دوران میں کسی نے محض تفنّنِ طبع کے طور پر انھیں یہ خبر سنائی اور حیرت ظاہر کی کہ گاندھی جی نے ناگ کے خلاف بھی تشدد نہ ہونے دیا اور ناگ اُن کی پرمودھر اہِنسا کا عقیدہ پختہ بنا کر گزند پہنچائے بغیر چلا گیا۔ آخر یہ کیا ماجرا تھا۔ قائدِاعظم مسکرائے اور جواب دیا:

"ماجرا کیا ہو سکتا تھا بھئی یہ تو ہمیشہ والا احترام کا مظاہرہ تھا"

## قائدِاعظم کا اِستقبال

کیپٹن ممتاز ملک

۳ رجون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے متحدہ برِعظیم کے آخری وائسرائے، پنڈت نہرو، قائدِاعظم اور بلدیو سنگھ کو تقسیم کے پلان کا اعلان کرنا تھا اور بابائے قوم کے لیے آل انڈیا ریڈیو سے تقریر نشر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

سب سے پہلے پنڈت نہرو آل انڈیا ریڈیو کے سٹوڈیوز میں پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اُن کا زبردست استقبال ہوا ہو گا۔ اُن کے ہمراہ بلدیو سنگھ بھی تھے۔ اب قائدِاعظم کی آمد کا انتظار تھا۔ مگر وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔ اور لوگ بے تاب ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ مونٹ بیٹن کی آمد کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ ریڈیو اسٹیشن کا عملہ پریشان تھا کہ

قائد اعظم کیوں لیٹ ہو گئے ہیں۔ وائسرائے کا استقبال اُن کے شایان شان کیا گیا اور جب وہ بھی ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے تو نشریات شروع ہونے سے صرف چند لمحات پہلے قائدِ اعظم کی موٹر کار سٹوڈیوز کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور استقبالیہ نعرے بلند ہوئے چنانچہ مونٹ بیٹن، پینڈرٹ نہرو اور بلدیو سنگھ تینوں کو قائد اعظم کا استقبال کرنا پڑا۔

# نماز اتنا لمبا ہو گیا

محمد حنیف آزاد

یہ بات جنوری ۱۹۴۰ء کی ہے کہ اُس روز مجھے محمد علی روڈ مسلم لیگ کے دفتر میں کچھ کاغذات دے کر بھیجا گیا۔ موٹر میری تحویل میں رہتی تھی۔ مجھے وہ کاغذات دے کر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں کوٹھی پہنچ جانا چاہیے تھا۔ کاغذات مسلم لیگ کے دفتر میں پہنچا کر واپس آرہا تھا کہ راستے میں دہلی کے چند دوست مل گئے میں ان احباب پر اپنا رعب ڈالنے کے لیے کہ اب میں بڑا آدمی ہو گیا ہوں اُن کو قائد اعظم کی موٹر کار میں سوار کر کے بمبئی کا شہر گھمانے لے گیا۔ اس تفریح اور سیر میں تقریباً ڈھائی بج گئے۔ کوٹھی واپس جاتے وقت خوف سا طاری تھا کہ قائد اعظم میرے دیر سے پہنچنے پر ضرور باز پرس کریں گے۔ ذہن میں طرح طرح کی سکیمیں بناتا کہ کہہ دوں گا کہ موٹر خراب ہو گئی تھی۔ اگر سوال ہوا کہ ٹیلی فون کیوں نہ کیا تو۔ اسی طرح کے متعدد بہانے ذہن میں آئے اور رد کر دیئے گئے۔ گاڑی برابر ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ کی طرف رواں تھی۔ یکایک ایک لاجواب نکتہ ذہن میں پیدا ہوا کہ آج جمعہ ہے کیوں نہ نماز جمعہ پڑھنے کا بہانہ کر دیا جائے۔ گاڑی کوٹھی میں داخل کی اور دوسری گاڑیوں کے ساتھ گیراج میں کھڑی کر دی۔ کلینر نے بتایا کہ صاحب نے کھانے کے وقت تمہارے متعلق دریافت کیا تھا۔ خیر گاڑی کھڑی کرنے کے بعد میں اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ ٹھیک ساڑھے تین بجے بیرے نے آکر اطلاع دی کہ صاحب نے طلب کیا ہے میں فوراً سوٹ پہن کر تیار ہوا اور صاحب کے سامنے پیش ہو کر سلام کیا۔

"کاغذات پہنچا دیئے؟" صاحب نے سوال کیا۔

"جی عالیجاہ!" میں نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"مگر تم اتنی دیر کہاں رہے؟" فوراً ہی دوسرا سوال کیا۔

"آج جمعہ تھا عالیجاہ۔ نماز کے لیے چلا گیا تھا۔" میں نے جواب دیا جو پہلے سے تیار شدہ تھا۔

"ہوں... کھانا شاید ہوٹل میں کھایا تھا؟"

"جی عالیجاہ دیر ہوگئی تھی۔ اس لیے ہوٹل میں ہی کھانا کھالیا" میں نے جواب دیا۔

میرا جواب سن کر صاحب مسکرائے پھر شفقت بھرے لہجے میں ڈانٹا:۔

"نماز اتنا لمبا ہوگیا..... کھانا باہر کھایا..... گدھا..... جاؤ"

اُن کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ میرے اس جھوٹ کو سمجھ گئے ہیں لیکن انھوں نے کس انداز سے درگذر کیا۔

## تھوڑا ہندو بنو

محمد حنیف آزاد

ایک بار کچھ مہمان ہندوستان کے مختلف مقامات سے بمبئی آئے ہوئے تھے۔ اُن کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا تھا۔ اس ضمن میں قائدِاعظم نے کچھ عرصہ کے لیے مجھے باورچی خانے کا منتظم بھی بنا دیا تھا۔ اِن مہمانوں کے واپس جانے کے بعد خادم کو قائدِاعظم نے مبلغ دو سو روپیہ نقد حسن کارکردگی پر انعام بخشا۔ اس واقعہ کو تقریباً چند روز گزرے ہوں گے کہ مجھے والدہ کا دہلی سے آیا ہوا خط ملا کہ بیٹا کچھ پیسے بھیج دو۔ بس ہم نے اُسی شام موٹر میں جبکہ قائدِاعظم اور فاطمہ بائی سمندر کے ساحل کے ساتھ موٹر کی سواری میں سمندری ہواؤں کا لطف لے رہے تھے کہ خادم نے عرض کیا:

"عالیجاہ والدہ کا خط آیا ہے۔ کچھ پیسے دہلی بھیجنے ہیں۔"

فرمایا:۔

"ویل، ابھی ہم نے تم کو دو سو روپے دیا۔ کدھر گیا۔"

مَیں نے عرض کیا:

"عالیجاہ وہ تو خرچ ہو گئے۔"

تو آپ نے برجستہ فرمایا:

"ویل، تم ایک دم ہندو ہوگیا۔ تھوڑا ہندو بنو...."

قارئین کیا اس گفتگو میں مزاح نہ تھا؟ وہ مجھے کفایت شعاری کی ترغیب دینا چاہتے تھے۔

## پہلی تاریخ کا تحفہ

محمد حنیف آزاد

قائداعظم کی سب سے چھوٹی بہن رحمت بائی تھیں ۔وہ سب سے زیادہ غریب تھیں ۔قائدِاعظم کے چھوٹے بھائی بھی رحمت بائی کے ساتھ ہی رہتے تھے ۔اُن کا قیام مالابار ہل پر چڑھتے ہوئے پہلی بلڈنگ کی پہلی منزل میں تھا ۔قائدِاعظم ہمیشہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مجھے کپڑوں کا ایک پارسل جس میں کچھ سوٹ اور کچھ ساڑھیاں ہُوا کرتی تھیں ، ساتھ ہی ایک لفافہ دیتے تھے جس میں پانچ سو روپے کے نوٹ ہوا کرتے کہ مَیں اِن کو اُن کی بہن اور بھائی کو پہنچا دوں ۔یہ تھی اُن کی اپنے بہن بھائیوں سے محبت ۔

## قائدِاعظم کا شوفر

محمد حنیف آزاد

قائداعظم ذاتی طور پر بڑے نفاست پسند تھے اور ایسا ہی اپنے نوکروں کو دیکھنا چاہتے تھے ۔ وُہ اِس ناچیز کا سوٹ بھی بمبئی کے مشہور ٹیلر ریکنن کے یہاں سلواتے ۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کا شوفر بارعب معلوم ہو ۔ میں سوٹ پر کالی ٹائی لگاتا ۔ ہاتھوں میں سفید دستانے پہنتا ۔یہی میری یونیفارم تھی ۔ایک بار قائداعظم کو شوق چرایا کہ ڈرائیور طرہ دار سکندری صافہ باندھے ۔لہٰذا حکم کے مطابق ململ کے تھان منگوائے گئے ۔ مجھے چونکہ صافہ باندھنا نہ آتا تھا اِس لیے پنجاب رجمنٹ کا ایک صوبیدار اِس طرز کا صافہ باندھنے کے لیے بلوایا گیا ۔طرہ دار صافہ باندھ کر میرا قد اونکل آیا ۔جسے دیکھ کر قائدِاعظم بہت خوش ہوئے ۔

## کیا تم مجھے منافق سمجھتے ہو

ممتاز حسن

اُن کے خلوص اور اصول پرستی کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ۔جو دیانت اور روحانی بلندی وہ اپنے ساتھ لائے تھے ۔صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی ۔تقسیم سے پہلے جب مختلف فرقوں اور گروہوں کی شر پسندی اور فساد آمادگی کی خبریں آنے لگیں تو کچھ لوگوں نے جا کر اُن کی خدمت میں عرض کی کہ مسلمانوں کو بھی اُن کے مخالفین کی طرح ہتھیاروں اور گولہ بارود سے مسلح رہنا چاہیے اور اِس سلسلے میں قائدِاعظم کو اقدام کرنا چاہیے ۔قائدِاعظم یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے :

"کیا تم لوگ مجھے منافق سمجھتے ہو کہ ایک طرف تو صلح کی اپیل پر دستخط کروں اور دوسری طرف تمھارے لیے ہتھیاروں کا بندوبست کروں۔ میں ہرگز ہرگز کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کر سکتا خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہو خواہ غیر مسلموں کی طرف سے۔"

## غریب قوم کے کارکن

ممتاز حسن

پیرزادہ محمد ذکا اللہ مرحوم و مغفور نے جو تقسیم سے پہلے شملے کے ایک سرگرم مسلم لیگی کارکن تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ جب قائدِ اعظم نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی تحریک شروع کی تو اُن کے ساتھ بہت کم آدمی تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ کچھ ایسے آدمیوں کو مسلم لیگ میں لانا چاہیے جو عوام کے مجمعوں میں تقریر کرنے کے عادی ہوں۔ ایک عرصے کی کوشش کے بعد میں نے ایک مشہور و مقتدر غیر مسلم لیگی مسلمانوں کو مسلم لیگ میں داخل ہونے پر راضی کر لیا۔ مگر شرط یہ تھی کہ لیگ اِن کے گزارے کے لیے سو روپے ماہوار انھیں دیا کرے۔ میرا خیال تھا کہ انھوں نے اِس قدر کم رقم مانگنے میں بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ خوشی خوشی جناح صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ دیکھیے قسمت نے یاوری کی ہے اور ایک مشہور و معروف کانگرسی کارکن جو ایک خوش بیان مقرر بھی ہے مسلم لیگ میں آنے کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ ہم اُس کے لیے فقط سو روپے ماہانہ کا بندوبست کر دیں۔ اب آپ اجازت دیں تو معاملہ فوراً طے ہو جائے اور اگر ضروری ہوا تو ہم لوگ اس رقم کا بار لیگ کے مرکزی فنڈ پر بھی نہیں ڈالیں گے۔ خود ہی انتظام کر لیں گے۔ آپ کے کہنے کی دیر ہے۔ پیرزادہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ قائدِ اعظم میری بات سن کر مطلقاً خوش نہیں ہوئے بلکہ بلا توقف کہہ دیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تجویز سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ جناب عالی میں نے تو سمجھا تھا کہ میں ایک اہم مژدہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور آپ میری تجویز کا خیر مقدم کریں گے۔ آخر آپ کے پاس کارکن ہیں ہی کتنے اور اُن میں سے بھی کتنے ایسے ہیں جو عام مسلمانوں پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ جناح صاحب نے کہا: "دیکھو میاں! تمھاری تجویز کو میں اس لیے منظور نہیں کر سکتا کہ یہ کام مسلمانوں کا اپنا کام ہے اور اسے کرنے کے لیے کسی مسلمان کو کوئی رشوت دینا میرے نزدیک قطعاً ناجائز ہے اگر آپ کے دوست واقعی یہ سمجھتے ہیں۔ انھیں مسلم لیگ میں آ کر کام کرنا چاہیے تو اس کیلئے شرطیں ٹھہرانا کیا معنی۔ دوسرے ہم ایک غریب قوم ہیں آپ کے دوست

ہم سے صرف ایک سو روپیہ مانگتے ہیں۔ اگر ہم ان کی شرط منظور بھی کرلیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہم سے زیادہ مالدار قومیں انھیں اس سے زیادہ رقم دے کر دوبارہ ہم سے نہیں چھڑالیں گی۔ تم اُن کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر وہ آکر ہم میں شامل ہوجائیں گے تو ہم دل وجان سے ان کا استقبال کریں گے۔ جو روکھی سوکھی ہمیں میسر ہے اس میں وہ بھی ہمارے حصہ دار ہوں گے۔ لیکن اگر وہ پیشگی کوئی شرط کرنا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صاحب مسلم لیگ کا کام کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔

## سر سکندر حیات کی بوکھلاہٹ

عاشق حسین بٹالوی

۲۴ اگست کو صبح ۱۰ بجے مجلسِ عاملہ کا اجلاس قائداعظم کے دولت کدے پر منعقد ہوا۔ ڈیفنس کونسل کا معاملہ زیر بحث آیا تو سر سکندر نے پنے تلے الفاظ میں پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر شروع کی اور اپنے اقدام کے جواز میں دلائل پیش کئے۔

قائداعظم خاموش سنتے رہے۔ پھر یکایک انھوں نے فرمایا: "تو کیا آپ کو مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض پنجاب کے وزیراعظم کے طور پر ڈیفنس کونسل میں شامل کیا گیا ہے"

سر سکندر نے تیقن آمیز لہجے میں کہا: "جی ہاں"

قائداعظم نے کہا: "اور اگر یہ ثابت ہوجائے کہ وائسرائے نے آپ کو مسلمان قوم کے نمائندے کی حیثیت سے ڈیفنس کونسل میں لیا ہے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہوگا؟"

سر سکندر نے بے تکان کہا: "میں فوراً ڈیفنس کونسل سے استعفیٰ دے دوں گا"

قائداعظم نے جیب سے ایک خط نکال کر سر سکندر کے سامنے پھینک دیا۔ سر سکندر نے اُٹھا کر پڑھا تو اُن کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا۔

وہ خط بمبئی کے گورنر سر فریڈرک سایکس کا تھا جس میں انھوں نے قائدِاعظم کو لکھا تھا:

"مجھ کو وائسرائے نے ہدایت کی ہے کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس امر کی اطلاع دوں کہ وائسرائے نے سر سکندر حیات کو کونسل میں مسلمان قوم کے نمائندے کی حیثیت سے جگہ دی ہے۔ مجھ کو پچھوں کہ

آج بخار ہوگیا ہے۔ اِس لیے میں خود حاضر ہو کر آپ کو یہ پیغام پہنچانے سے معذور ہوں۔ مجبوراً اس عریضے کے ذریعے یہ ضروری اطلاع خدمتِ والا میں ارسال ہے۔"

سر سکندر یہ مختصر سا خط پڑھ چکے تو اُن کے منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ حاضرین حیرت و استعجاب سے اُن کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کا رنگ آناً فاناً بدل گیا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے اور اندوہگیں آواز میں انھوں نے کہا: "وائسرائے نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔

میں ابھی ڈیفنس کمیٹی سے مستعفی ہوجاتا ہوں۔"

## جناح کی نخوت کا راز

سیّد ضمیر جعفری

جمہوریہ انڈونیشیا کے پہلے وزیرِاعظم ڈاکٹر سلطان شہریار کو ہم نے سنگاپور میں اپنے میس میں چائے کی دعوت دی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء کی شام کو معزز مہمان ہمارے دیہاتی میس کے دربانوں، ناریلوں اور بانسوں سے بنے ہوئے "انٹی روم" میں ہمارے درمیان بیٹھا تھا تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

لیڈروں کو چائے پر بلایا جاتا تھا، مگر انھیں چائے پینے کوئی نہیں دیتا تھا۔ وہ ابھی مشکل سے بیٹھنے ہی پائے تھے کہ باتیں شروع ہوگئیں۔ وقت کم تھا اور باتیں زیادہ۔ قدرتی طور پر ہم قائدِاعظم کے متعلق کچھ جاننا چاہتے تھے۔

آخر میں ڈاکٹر شہریار نے اپنے کاغذات کے نیچے میں سے سرخ رنگ کی ایک آٹو گراف نکال کر اُس کے ایک ورق پر انگلی رکھتے ہوئے کہا: "یہ دیکھئے، آپ کے قائدِاعظم کے دستخط۔ یہ میں نے اِسی ملاقات میں حاصل کئے تھے" اور واقعی آٹو گراف کے سفید ورق پر ہمیں قائدِاعظم کے مانوس و محبوب دستخط ثبت نظر آئے۔ دستخط کے اوپر بحروفِ انگریزی یہ الفاظ تحریر تھے: — "Live a let live!"

وطن سے ہزاروں فرسنگ دور پردیس میں بیٹھے ہوئے قائدِاعظم کے مبارک ہاتھ کی تحریر دیکھتے ہی جوش و حرارت کے نہ جانے کتنے ہی حیات افروز سوتے یک لخت ہمارے دل میں پھوٹ نکلے۔ اور ہم سب... آداب و قواعد اور فرق و مراتب کی تمام حدود توڑ تاڑ کر یکبارگی آٹو گراف پر ٹوٹ پڑے۔ جیسے اچانک کوئی آسمانی نعمت ہمارے سامنے آگئی ہو۔ ماسو کا تو یہ حال تھا کہ نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے ولولے پر بڑی مشکل سے قابو پا سکا۔

شہریار اس منظر سے بہت متاثر ہو۔ تاثر میں ڈوبی ہوئی تقریباً گلوگیر آواز میں پاس بیٹھے والنو جعفر بن
عون سے کہنے لگے "جناح بہت بڑی قوت ہے" اور ان سے پہلے ملایا کے گورنر جنرل مسٹر میلکم میکڈانلڈ کو جو
دبر سے جوہور کے ولی عہد تنکو دھاکوٹا سے نہ جانے کیا غپ شپ کر رہے تھے۔ میں نے یہ کہتے ہوئے سنا:
"مسٹر جناح کی نخوت کا راز مجھ پر آج کھلا۔ اس کی پشت پر پوری قوم ہے۔"

## بک اَپ ینگ بوائے

جسٹس شمیم حسین قادری

مجھے اپنی زندگی میں کئی بار قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ایک مرتبہ اُس زمانے میں جب پنجاب میں مسلم لیگ کی تحریک چل رہی تھی۔ یہاں حالات بڑے مخدوش تھے۔ اکثر لیڈر جیل میں تھے۔ آئے دِن گرفتاریاں جاری تھیں۔ خضر حیات کا دورِ وزارت تھا۔ اُن دنوں راجہ سید اکبر ڈکٹیٹر تھے۔ وہ عنقریب جیل جانے والے تھے اور اُن کے بعد میری باری تھی۔ ہمارے پاس فنڈز وغیرہ بھی ختم ہو چکے تھے اور روپے کا کہیں سے انتظام نہیں ہو رہا تھا۔ کراچی میں مسلم لیگ کانفرنس ہو رہی تھی اور قائداعظم وہیں تھے۔ حسین شہید سہروردی مرحوم بنگال سے آئے تھے اور سندھ کے چیف منسٹر راجہ غلام حسین ہدایت اللہ تھے۔ طے پایا کہ اُن سے پیسے لیے جائیں۔ اب یاد نہیں کہ وہ خط جو میں قائداعظم کی خدمت میں لے کر گیا تھا۔ کس نے لکھ کر مجھے دیا تھا۔ بیگم شاہنواز کا خط تھا یا خان ممدوٹ مرحوم کا ...... بہرحال یہ خط تھا حسین شہید سہروردی کے نام۔ سندھ گورنمنٹ ہاؤس میں جو آج کل گیسٹ ہاؤس ہے قائداعظم ٹھہرے ہوئے تھے اور ناشتے کی میز پر بیٹھ چکے تھے جب میں ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے کہا: "پیسے ہمارے پاس نہیں ہیں۔ پنجاب کو اپنی لڑائی خود لڑنی چاہیے۔ تم لوگ کوشش کرو، ہمت سے کام لو۔"
میں نے سب حالات عرض کیے۔ انھوں نے نہایت غور سے میری باتیں سنیں، پھر بڑی شفقت سے کہنے لگے "اچھا تمھارے مشن کے لیے کوشش کی جائے گی۔" پھر میری ملاقات سہروردی مرحوم اور غلام حسین ہدایت اللہ سے ہوئی۔ اُن لوگوں نے بھی مدد کا وعدہ فرمایا۔ قائداعظم سے دوسری ملاقات، پاکستان بننے کے بعد لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں ہوئی۔ وہاں قائداعظم کے اعزاز میں کوئی استقبالیہ تھا۔ راجہ غضنفر علی خاں مرحوم نے قائداعظم سے میری ملاقات کرائی، اور کہا یہ مسلم لیگ کا بڑا سرگرم کارکن رہا ہے۔ قائداعظم نے محبت بھری نظروں سے میری جانب دیکھا اور فرمایا:
"Buck-up young boy, well done young boy" ان کے یہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

# یونینسٹ پارٹی کا چراغ گُل

ملک افتخار علی

دوسری بار مَیں نے حضرت قائدِاعظم کو ۱۹۳۷ء میں لاہور ریلوے سٹیشن پر دیکھا۔ وہ پنجاب میں مسلم لیگ کا پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ کیونکہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ملک میں نئے انتخابات ہونے والے تھے۔ مادرِ ملت مِس فاطمہ جناح اُن کے ہمراہ تھیں۔ قائدِاعظم بمبئی سے تشریف لائے تھے بمبئی میل رات کے ساڑھے آٹھ بجے لاہور پہنچتی تھی۔ قائدِاعظم کے استقبال کے لیے ہوئے لیڈر بمبئی میل کے اُس ڈبے کی طرف بڑھے جس میں قائدِاعظم سفر کر رہے تھے۔ میرے والد مرحوم (ملک برکت علی ایڈووکیٹ) نے آگے بڑھ کر ڈبے کا دروازہ کھولا۔ پہلے مادرِ ملت مِس فاطمہ جناح برآمد ہوئیں اور اُن کے بعد بابائے قوم ڈبے سے اُترے اور عین اُس وقت جب انھوں نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا ریلوے سٹیشن کی لائٹ آف ہو گئی۔ نہ جانے محض اتفاقیہ لائٹ آف ہوئی یا کسی نے شرارت کی تھی سٹیشن پر اندھیرا چھا گیا۔ ہم سب گھبرا گئے۔ لیکن قائدِاعظم کی شیر کی گرج جیسی آواز میں یہ الفاظ ہمارے کانوں میں پڑے:

"دیکھا! لاہور میں میرے قدم رکھتے ہی یونینسٹ پارٹی کا چراغ گل ہو گیا ہے"

# لگتا ہے جا کے ٹھیک نشانے پہ اِس کا تیر

ملک افتخار علی

پھر مَیں نے قائدِاعظم کی زیارت قرار دادِ پاکستان کے تاریخی اجلاس میں کی۔

جب قائدِاعظم اپنی بہن کی معیت میں جلسہ گاہ میں پہنچے تو فضا تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھی۔ قائدِ اعظم سٹیج پر پہنچے اور کرسیِ صدارت پر متمکن ہوئے۔ اور تلاوتِ قرآنِ حکیم کے بعد تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ انھوں نے شیرِ بنگال مولوی فضل الحق کو قرار دادِ پاکستان پیش کرنے کے لیے فرمایا اور قرار داد کی تائید کے بعد تقریر شروع کی۔ ان کی یہ تقریر بھی زبانی تھی۔ ماسوائے اُس کے کہ انھوں نے اپنی اس تقریر میں صرف ہندوستان کے امور کے ذمہ دار لارڈ مورلے کی برطانیہ کے دار العوام میں تقریروں کے چند حوالے پڑھ کر سنائے اور پھر اپنی پُرجوش تقریر میں قرار دادِ پاکستان پر روشنی ڈالی۔ قائدِاعظم کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی تقریر میں بار بار اپنے ایک شیشے والی عینک "مونوکل" اُتار دیتے تھے۔

قائدِ اعظم کی تقریر سے پہلے رسالہ ہمایوں، لاہور کے ایڈیٹر اور مالک میاں بشیر احمد مرحوم نے اُن کی شان میں ایک نظم پڑھی تھی جس کا ایک مصرع یہ تھا ؎

لگتا ہے جا کے ٹھیک نشانے پہ اس کا تیر

قائدِ اعظم کو یہ مصرع یاد رہا اور انھوں نے اس مصرعے کو دہراتے ہوئے فرمایا کہ وہ سیاست میں کسی طرح کی سازشوں یا چالوں کے روادار نہیں ہیں۔ وہ حق و صداقت پر ہیں اور حق و صداقت میں سازشیں نہیں ہوا کرتیں۔

## پاکستان کا کیک

ملک افتخار علی

میرے والد مرحوم (ملک برکت علی ایڈووکیٹ) کی طرف سے ایک ٹی پارٹی دی گئی جس میں قائدِ اعظم کے سامنے وہ کیک رکھا گیا جو ہندوستان کے نقشے کے مطابق بنایا گیا تھا۔ اور اس میں پاکستان کے حصے میں آنے والے علاقوں کا رنگ سبز تھا۔ جب بابائے قوم نے کیک کاٹا تو بڑی احتیاط سے کیک کا سبز حصہ الگ کر دیا۔ کسی نے کہا:

"حضور! ذرا سا اور حصہ کاٹ دیجیے۔"

لیکن جواب ملا:۔

میں اس طرح کا تجاوز ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

## قائدِ اعظم کا جانثار ساتھی

عباس احمد عباسی

دہلی کے امپیریل ہوٹل میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجراس ہوا جس میں بل پر غور و خوض کیا گیا۔ قائدِ اعظم صدارت فرما رہے تھے۔ اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ قائدِ اعظم تقریر فرما رہے تھے کہ باہر سے کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ اِس آواز کے آتے ہی ہم کونسل کے ممبران ایک دم کھڑے ہو گئے اور چاروں طرف سے قائدِ اعظم کو احاطہ میں لے لیا جن کے پاس پستول تھے وہ نکال لیے۔ قائدِ اعظم نے فرمایا: "آپ لوگ بیٹھ جائیے۔ میں تقریر کر رہا ہوں۔" اور لوگوں نے اپنے محبوب قائد کی پہلی نافرمانی کی۔ انھیں اپنا قائد اپنی مرضی سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ سردار عبدالرب نشتر باہر آ گئے کہ دیکھیں کیا بات ہے۔ ایک خاکسار سیڑھیاں چڑھ کر ہال کی طرف آ رہا تھا۔

قائدِ اعظم کے اِس پٹھان جانثار نے اپنی عمر اپنے عہدے اور مرتبے کا خیال کیے بغیر اُس کو زور سے دھکا دیا کہ وہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتا ہوا نیچے آگرا۔ مسلم لیگ کے رضا کار جمع ہو گئے۔ پولیس نے خاکساروں کو درہم برہم کر دیا۔ امپیریل ہوٹل کا بہت نقصان ہوا۔ شیشے ٹوٹ گئے۔ مگر کونسل کے ممبر اس وقت تک قائدِ اعظم کو احاطہ میں لیے رہے جب تک دوبارہ بالکل خاموشی نہیں ہو گئی اور اس تمام عرصہ قائدِ اعظم اُسی طرح پرسکون رہے جیسے کہ ہمیشہ رہتے تھے۔

## ایک ایک لمحہ قیمتی ہے

ضیاء الحق

قائدِ اعظم کی اپیل پر اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کلاسوں سے نکل کر سیاست کے میدان میں آپہنچے۔ میں نے بھی اِس اپیل پر لبیک کہا اور دیہات کا رُخ کیا...... انتخابات سے کچھ عرصہ پہلے میں گاؤں گاؤں قصبے قصبے اور شہر شہر کی خاک چھانتا لاہور واپس پہنچا تو میں نے گھر والوں کو منتظر پایا۔ کیونکہ مجھے اپنی بھانجی کی شادی کے سلسلے میں بمبئی جانا تھا۔

ابھی انتخابات میں چند دن باقی تھے کہ ایک رات میں فرنٹیئر میل سے بمبئی روانہ ہوا۔ جب میں نے ریلوے سٹیشن پر قدم رکھا تو میرے دِل میں سب سے پہلے جس خیال نے جنم لیا وہ یہ تھا کہ میں اپنے قائد کے شہر میں آیا ہوں۔ اِس لیے اُسے دیکھے اور ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔

دوسرے دن میں عقیدت و احترام کا جذبہ لیے اور دھڑکتے دل کے ساتھ قائدِ اعظم کی کوٹھی پر پہنچا، اور اُن کے سیکرٹری سے مدعا بیان کیا۔ قائدِ اعظم کے سیکرٹری نے مسلمانانِ ہند کے محبوب لیڈر کی مصروفیات کی وجہ سے ملاقات کرانے سے معذوری کا اظہار کیا اور کہا: "آپ لوگ پانچ دن بعد آئیں"۔ میرے جذباتی دوست نے فیصلہ کن انداز میں خورشید صاحب سے کہا: "ہم قائدِ اعظم سے ملاقات کریں گے تو آج ہی اور ابھی"۔ چنانچہ ایک طرف انکار تھا اور دوسری طرف ضد۔ انکار اور ضد کے درمیان ہونے والی گفتگو تلخی کا رُخ اختیار کر گئی اور میرا دوست اتنا جذباتی ہو گیا کہ وہ اونچی آواز سے بولنے لگا۔ ابھی خورشید صاحب اور میرے دوست میں تلخ باتوں کا تبادلہ ہو رہا تھا کہ میں نے قائدِ اعظم کو ایک دروازے سے باہر نکلتے دیکھا۔ انھیں دیکھ کر میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہو گئی اور دل یوں دھڑکنے لگا، جیسے ابھی اچھل کر باہر آجائے گا۔ میں

ٹکٹکی باندھے اپنے قائد کو دیکھتا رہا جو اب برآمدے میں کھڑے خورشید صاحب اور میرے دوست کی گفتگو سُن رہے تھے۔ چند لمحوں بعد قائداعظم ہماری طرف آئے اور بڑے غصے سے بولے: "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ابھی خورشید صاحب قائد کے سوال کا جواب نہ دینے پائے تھے کہ میں نے جرأت کا سہارا لے کر کہا:

"ہم پنجاب سے آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے تھے۔" قائداعظم نے مجھ سے پوچھا "کیا تم طالب علم ہو؟"

میرے اثبات پر قائداعظم کے سفید چہرے پر سُرخ لکیریں اُبھر آئیں اور بولے:

"تمھیں اس وقت پنجاب میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہاں پنجاب کی جنگ لڑی جا رہی ہے، تم اپنا مورچہ چھوڑ کر مجھے ملنے یہاں پہنچے ہو۔ جاؤ پنجاب واپس چلے جاؤ اور جا کر مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچاؤ۔ میرے اور تمھارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ جب ہم پاکستان کی جنگ جیت لیں گے۔ میں تمھیں خود ملاقات کی دعوت دُوں گا۔"

چنانچہ میں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں اسی رات بمبئی سے لاہور واپس لوٹ جاؤں۔

## قائداعظم کے نوجوان بیٹے

ضیاءالحق

مسلم لیگی اور کانگرسی لیڈروں نے کیبنٹ مشن کے اہم رکن کرپس سے مذاکرات شروع کیے۔ انہی دنوں قائداعظم لاہور تشریف لائے تو لاہور کے مسلمانوں نے اپنے محبوب لیڈر کا مثالی اور یادگار استقبال کیا۔ صبح کے وقت قائداعظم لاہور پہنچے۔ فرنٹیئر میل کی آمد سے پہلے لاہور ریلوے سٹیشن پر لاتعداد مسلمان اکٹھے ہو گئے کہ پلیٹ فارم پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ فلک شگاف نعروں میں قائداعظم کو خوش آمدید کہا گیا۔ پھر وہ ریلوے سٹیشن سے ممدوٹ ولا پہنچے۔ پھر بعد دوپہر قائداعظم کو وہاں سے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں لایا گیا۔ ڈیوس روڈ سے لے کر کالج تک راستے کو نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور قائداعظم کا جلوس اس شان سے چلا کہ اُن کی کار کے آگے چار موٹر سائیکلیں تھیں۔ جن پر دو دو جوان سوار تھے۔ پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے جوان کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ موٹر سائیکل چلانے والوں کے گلوں میں ریوالور لٹک رہے تھے۔ ان موٹر سائیکل سواروں میں پروفیسر خواجہ عبدالحی کے بھائی خواجہ زکریا بھی شامل تھے۔ جو چوڑی چھاتی، مضبوط اعضاء اور ساڑھے چھ فٹ قامت کا جوان تھا۔ اس کے چہرے کا گندمی رنگ چمک رہا تھا۔ اس کے علاوہ قائداعظم

کی تقریر سننے کے لیے پورے پنجاب کے کالجوں سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن آئے تھے۔ ان میں کیمبل پور میانوالی اور سرگودھا کے چھ چھ فٹ لمبے جوان شامل تھے جنھیں دیکھ کر قائداعظم کے لبوں پر بار بار مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر ہی قائداعظم نے کہا :

"یہ خوبصورت صحت مند اور جوان بیٹے میرے ساتھ ہیں۔ میں انھیں ساتھ لے کر چلا ہوں میں دیکھوں گا اِن کی موجودگی میں دنیا کی کون سی طاقت ہمیں پاکستان کے حصول سے روک سکتی ہے۔"

## ہمیں محنت کی ضرورت ہے

کوہاٹ کا رہنے والا شبیر افضل ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک خوبصورت سے بنگلے میں چوکیدار ہے۔ جب پاکستان بنا تو وہ بمبئی کی ایک فلم کمپنی میں چوکیدار کی حیثیت سے ملازم تھا۔ اس کو فخر ہے کہ قائداعظم اُس سے بات کر چکے ہیں۔ اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے اُس نے بتایا،

"ایک بار قائداعظم بمبئی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے آئے تو اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے ذاتی طور پر ملے۔ میرے پاس آ کر انھوں نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا :

"محنت سے کام کرو۔ ہمیں محنت کی ضرورت ہے۔"

## بے وقت کی اذان

ضیاءالحق

اسلامیہ کالج لاہور کی وسیع و عریض گراؤنڈ میں تقریر سننے کے لیے تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان جمع تھے۔ میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا رضاکار تھا اور میری ڈیوٹی سٹیج کی پشت پر تھی۔ قائداعظم نے تقریر شروع کی تو قریبی مبارک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ حاضرین جلسہ حیران تھے کہ اس وقت کسی نماز کا وقت نہ تھا، آخر اس بے وقت کی اذان کا مطلب کیا ہے؟ تھوڑی دیر بعد جلسہ گاہ کے ایک کونے میں خاکسار تحریک کے بانی نمودار ہوئے اور آہستہ آہستہ سٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ اُن کی آمد سے جلسے میں شور پڑ گیا جو بعد میں طوفان بدتمیزی کی صورت اختیار کر گیا۔ علامہ مشرقی اسی طوفان کے بہاؤ پر بہتے بہتے سٹیج پر قائداعظم کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کے اس فعل نے عوام

کو اتنا مشتعل کر دیا کہ لوگ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور انھوں نے سٹیج پر سے علامہ مشرقی کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ اسلامیہ کالج کے پرنسپل عمر حیات ملک قائدِ اعظم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

حاضرینِ جلسہ نے علامہ مشرقی کو گھسیٹ کر ہاتھوں پر اچھالنا شروع کر دیا۔ مگر اُس وقت میرے قائد نے انتہائی بردباری اور صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔ عمر حیات ملک سے مخاطب ہو کر بولے:

"دیکھئے مسٹر ملک! علامہ مشرقی کو بحفاظت گھر پہنچنا چاہیے۔"

اگر قائدِ اعظم اس لمحے جذباتی ہو جاتے تو علامہ مشرقی کا اس مشتعل ہجوم سے زندہ بچ کر جانا ایک معجزہ ہوتا۔

## وزیرِ اعظم تقریب میں کھڑے رہے

مجھے قائدِ اعظم کے ایک جاں نثار سپاہی نے بتایا کہ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سٹیٹ بنک کا افتتاح ہوا۔ قائد اس تقریب میں مہمانِ خصوصی تھے۔ وہ ٹھیک وقت پر تشریف لائے، لیکن کئی وزراء اور سرکاری افسران نے ابھی تک تقریب گاہ میں قدم رنجہ نہیں فرمایا تھا۔ ان میں وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں بھی شامل تھے۔ اگلی رَو کی کئی کرسیاں جو بڑے افسران اور وزراء کرام کے لیے مخصوص تھیں خالی پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر قائدِ اعظم کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔ انھوں نے کارروائی شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اِس کے ساتھ ہی فرمایا کہ تقریب گاہ میں موجود تمام خالی کرسیاں اٹھالی جائیں تاکہ جو حضرات بعد میں آئیں انھیں کھڑا رہنا پڑے۔ اِس طرح انھیں پابندی کا خیال رہے گا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ تقریب شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد جناب لیاقت علی خاں تشریف لے آئے۔ اُن کے ساتھ چند دوسرے وزراء بھی تھے۔ لیکن کسی شخص کو اُن کے لیے کرسی لے کر آنے یا انھیں اپنی کرسی پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ تقریب کے دوران لیاقت اور اُن کے کئی رفقاء کھڑے رہے۔ ان کا مارے شرمندگی اور خجالت کے بُرا حال تھا۔ قائد روانہ ہونے لگے تو اُن حضرات نے دیر سے آنے پر بڑی معذرت کی۔ اِس واقعہ کے بعد کسی مقتدر سے مقتدر شخص کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ تقریب میں دیر سے آئے۔

# انگلستان کا ایک واقعہ

وہ جب بھی بمبئی آتے ہمارے پاس ٹھہرتے اور فرصت کے اوقات میں اپنے اُس دَور کے واقعات سناتے جب وہ انگلستان میں تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کرسمس کے موقعہ پر طلبہ اور طالبات میں ایک کھیل کھیلا جا رہا تھا جس میں جیتنے والے لڑکے یا لڑکی کو دوسرے ساتھیوں کی ایک فرمائش پوری کرنی تھی۔ قائدِاعظم جب جیت گئے تو ساتھیوں نے فرمائش کی کہ آپ فلاں لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقص کریں۔ لیکن قائدِاعظم نے یہ کہہ کر انکار کردیا

"میں اپنی ہونے والی بیوی کے سوا کسی اور لڑکی کا ہاتھ نہ تھاموں گا اور نہ ہی اس کے ساتھ رقص کروں گا۔"

قائدِاعظم ہمیشہ اپنی بات کے دھنی رہے اور جو کہا اُس پر عمل کر کے دکھایا۔ چنانچہ وہ زندگی بھر اپنی اس بات پر عمل پیرا رہے۔ (بیگم نصرت عبداللہ ہارون)

# غیر سیاسی عمل اور اس کا جواب

حاتم اے علوی

۱۹۴۴ء میں رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ قائدِاعظم شملہ میں مقیم تھے۔ کسی مقدمے کے سلسلے میں وہ کلکتہ تشریف لائے۔ اُن دنوں مہاتما گاندھی واردھا میں مقیم تھے۔ راج گوپال اچاریہ کی کوشش سے بمبئی میں گاندھی، جناح ملاقات کا وقت طے ہوچکا تھا۔ قائدِاعظم کلکتہ سے بمبئی جانے والے تھے کہ گاندھی جی نے ایک تار کے ذریعے قائدِاعظم سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کلکتہ سے جاتے وقت کچھ دیر کے لیے واردھا بھی رُک جائیں۔ قائدِاعظم نے تار کے ذریعے جواب دیا کہ ملاقات طے شدہ وقت کے مطابق بمبئی میں ہوگی۔ قائدِاعظم کے اس جوابی تار کو بھارت کے تمام اخبارات میں چھاپا گیا، اور انھیں بدمزاج، مغرور وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ اِن خبروں کو سُن کر مجھے بھی غصّہ آیا اور میں نے قائدِاعظم کو ایک تند و تیز خط لکھ دیا جس میں مَیں نے یہ کہا تھا کہ آپ کا یہ عمل غیر اسلامی اور غیر سیاسی ہے۔ قائدِاعظم نے میرے اِس خط کا کوئی جواب نہ دیا حالانکہ وہ میرے اکثر خطوں کا جواب دے دیا کرتے تھے۔ چند دنوں بعد جب میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں بمبئی گیا اور قائدِاعظم سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے کھانے کے بعد خود ہی میرے خط کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے مجھے بتایا:

"مسلم لیگ اِس وقت پوری طرح منظم نہیں ہے۔ ہمارے پاس پروپیگنڈے کے وسائل مفقود ہیں جب کہ ہندوؤں کو تمام سہولتیں حاصل ہیں اگر اس وقت میں تمہارے مہاتما سے ملنا تو وہ تصویریں تمام ہندوستان کے اخبارات میں چھپتیں۔ جن میں تمہارے مہاتما لکڑی کی چوکی پر بیٹھے ہوتے اور میں نیچے کھڑا ہاتھ ملا رہا ہوتا۔ یہ تصاویر جب ہمارے مسلم عوام کے سامنے پہنچتیں تو اس جدوجہد کو ٹھیس پہنچتی جو ہم مسلمانوں کو اُن کے تشدد کے خلاف منظم کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔"

قائدِ اعظم کی یہ بصیرت اور سوجھ بوجھ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔

# جماعت اسلامی اور مسلم لیگ

قمر الدّین

سال ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۰ء تک میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں کام کرتا رہا ہوں۔ ۱۹۴۱ء میں مولانا نے مجھے قائدِ اعظم کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ میں اُن کے سامنے اِسلام کی دعوت پیش کروں اور اُن سے درخواست کروں کہ وہ مسلم لیگ کو جماعت اسلامی میں ضم کر دیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کی عنایت سے قائدِ اعظم کے ساتھ گل رعنا دہلی میں میری ایک ملاقات قرار پا گئی۔ دورانِ ملاقات قائد مرحوم نے میری باتوں کو پون گھنٹہ تک نہایت غور اور سکون کے ساتھ سنا اور پھر بولے کہ وہ مولانا مودودی کی خدمات کی بہت قدر کرتے ہیں۔ لیکن اس برِ عظیم کے مسلمانوں کی زندگی اور ان کے کردار کی تطہیر سے زیادہ ضروری یہ کام ہے کہ اُن کے لیے ایک آزاد سیاسی وطن حاصل کیا جائے قائدِ اعظم نے بتایا کہ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے مابین کوئی تنازع موجود نہیں ہے۔ اِن میں سے ایک جماعت ایک بلند تر نصب العین کے لیے کام کر رہی ہے اور دوسری وقت کی ایک شدید اور فوری ضرورت کی تکمیل کی خاطر کوشاں ہے۔ اگر اس فوری ضرورت کی تکمیل نہ ہو سکی تو جماعت اسلامی کا کام سخت دشوار ہو جائے گا۔ آخر میں قائدِ اعظم نے فرمایا کہ اُن کے لیے اسلامی علوم میں علم و فضل کا درجہ پانے اور پھر مولانا مودودی کی احیائے اسلام کی تحریک میں شامل ہونے کا موقع اب باقی نہیں رہا۔ تاہم اگر مولانا مودودی اپنے صالح نظریات سمیت مسلم لیگ میں تشریف لے آئیں تو اُن کی آمد سے ہمارے ہاں سچے اسلامی کردار کی نشوونما میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ جس کی اس وقت ہمیں شدید حاجت محسوس ہو رہی ہے۔

## قول و فعل

فقیر سیّد وحید الدّین

واجد علی نے مجھے بتایا کہ ایک روز قائد اعظم نے کہا:-

"کیا بتایا جائے، ڈاک میں اتنی تعداد میں خطوط آتے ہیں کہ اُن کے جوابات دینے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے۔"

واجد علی نے جواب میں عرض کیا "آپ حکم دیں تو میں حاضر ہو جایا کروں اور خطوط کا جواب آپ کی ہدایت کے مطابق لکھ دیا کروں۔"

اِس پر قائد اعظم نے فرمایا:-

"تم ایک بات بھول رہے ہو کہ یہ خط جناح کے نام آتے ہیں اور کسی کے نام نہیں۔"

یہ نکتہ بعد میں غور و فکر سے سمجھ میں آیا کہ ہر خط لکھنے والے کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جس کو خط کے ذریعے مخاطب کرے، وہی اُس کا جواب دے۔

## قرانُ السعدین

زیڈ اے سلیری

۱۹۴۲ء کے موسم خزاں میں جناح پنجاب کا دَورہ کر رہا تھا۔ راقم الحروف روزنامہ ڈان کی طرف سے بطور نامہ نگار خصوصی ہمراہ تھا۔ لاہور میں جناح کی شان میں دعوت چائے منعقد ہوئی۔ دعوت میں کسی نے اسے علامہ اقبال مرحوم کے مزار پر چلنے کو کہا۔ وہ تیار تھا میزبانوں سے فارغ ہو کر وہ روانہ ہونے لگا۔ کوئی آدھ گھنٹہ بعد پانچ آدمی دو موٹر کاروں سے اتر کر مزار کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اسلام کے شاعر اعظم، مفکر، درویش، فلسفی کے مزار پر۔ شام ہو چکی تھی ہوا میں سردی تھی۔ جناح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اُس نے فاتحہ پڑھی۔ وہ تفکر کی حالت میں تھا اور سب دم بخود کھڑے تھے۔ یہ عجیب قران تھا۔ ایک طرف وہ شاعر تھا جس نے تخیلات کی دنیا آباد کی اور دعوت عمل دی اور رخصت ہو گیا۔ دوسری طرف وہ فردِ وحید جسے اُس کی بصیرت نے نازک مرحلہ میں قیادتِ ملت کے لیے چن رکھا تھا جناح کس سوچ میں تھا؟ وہ ساکت تھا۔ میں موقع کی نوعیت سے مرعوب ہوا جا رہا تھا۔ وہ بلند و حسین شاہی مسجد پُر سکوت

تھی۔ اس کے مینار چوبوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ یہ نظارہ جناح کے تعمیری کام سے کس قدر مشابہ تھا۔ وہ بھی نو دار الاسلام کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ پھر ہم خاموشی سے مزار سے علیحدہ ہوئے۔ سب خاموش تھے۔ اتنے میں سے ایک نے ہمت کی اور جناح سے مخاطب ہو کر اقبال کا شعر پڑھا۔ جناح یکلخت رک گیا اور کہا "میرے دوست! پاکستان سارے عالم اسلامی کی کلید نجات و آزادی ہے"! اس کے بحر جذبات میں اتنا تلاطم کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

## معمولی آدمی

روزنامہ انقلاب بمبئی۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء

۲۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو E وارڈ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے چند کارکن قائداعظم کے دولت خانے پر ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے گئے۔ اُن میں سے ایک شخص نے مصافحہ کرتے ہوئے۔ جوش عقیدت سے مجبور ہو کر آپ کے ہاتھ کو چوم لیا۔ یہ حرکت دیکھ کر قائداعظم نے فرمایا "لوگوں کو چاہیے کہ وہ مجھے معمولی آدمی تصور کریں۔ پیرو مرشد نہ سمجھ لیں۔ اس طرح لوگوں میں غلط اور تباہ کن طریقہ پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے جسے عرفِ عام میں شخصیت پرستی کہتے ہیں اور یہ مرض نقصان دہ اور مضرت رساں ہے، اور اس میں ناروا اور ناجائز ہے"۔

## گاندھی سے تقابل

مانٹیگو

وزیر ہند مسٹر مانٹیگو اپنی ڈائری میں جو اُن کی وفات کے بعد اُن کی صاحبزادی نے شائع کی تھی، تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناح داخل ہوا، نوجوان، شائستہ، باوقار، دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح، اپنی اسکیم کی بڑی پر مصر اور بضد......... وہی ذمہ دار حکومت خودمختاری کی اسکیم...... اس سے کم پر راضی ہی نہیں ہو سکتا۔ میں پہلے سے تھکا ہوا تھا۔ اس نوجوان نے تو مجھے بالکل زچ کر کے رکھ دیا۔ چیمسفورڈ (وائسرائے ہند) نے اس سے بحث میں الجھنے کی کوشش کی اور اس طرح جکڑ دیا اس نوعمر سیاستدان نے غریب چیمسفورڈ کو جیسے مکڑی اپنے جالے میں مکھی کو جکڑ لے۔ ذہانت و فراست جناح کی خصوصیت ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات

ہے کہ ایسا قابل اور ہونہار آدمی اپنے ملک کے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔ گاندھی سے بھی ملاقات ہوئی لیکن بہت غیر مؤثر شخصیت ہے۔ (مانٹیگو)

## دس کروڑ مسلمانوں کا تنہا وکیل فقیر سید وحید الدین

۴۵-۱۹۴۴ء میں میں کسی سرکاری کام سے بمبئی کے دَورے پر گیا ہوا تھا اور وہاں اپنے عزیز سید واحد علی کے یہاں مقیم تھا۔ واحد علی اکثر و بیشتر قائد اعظم کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اُن کی ذات سے خاص دلچسپی بلکہ عقیدت رکھتے ہیں اور قائد اعظم بھی اُن پر مہربانی فرماتے ہیں، اور اُن سے ملاقات کے لیے عزیز موصوف کو کوئی رسمی دشواری پیش نہیں آتی...... انھوں نے قائد اعظم کی قیام گاہ واقع مالا بار ہل پر ٹیلی فون کیا اور اپنی ملاقات کے لیے وقت لیتے ہوئے کہا کہ میرا ایک عزیز بھی میرے ہمراہ آنا چاہتا ہے۔ قائد اعظم نے جواب میں غالباً اجازت دے دی۔ میری خوشی کا کیا پوچھنا، متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے بڑے رہنما سے شرف ملاقات کا موقع مل رہا تھا......

تھوڑی ہی دیر میں ہم قائد اعظم کی قیام گاہ پر تھے۔ ہم زینہ طے کرتے ہوئے بالائی منزل پر پہنچے۔ وہاں قائد اعظم اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ ایک صوفے پر رونق افروز تھے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے، مصافحہ کیا، اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اس ملاقات میں کئی موضوعات پر باتیں ہوئیں۔ لیکن سب سے زیادہ اہم بلکہ گرم موضوع شملہ کانفرنس کا تھا۔ انھوں نے فرمایا: "میں آج ہی شملہ کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے جا رہا ہوں" پھر قدرے رک کر حسرت آمیز لہجے میں بولے:

"دیکھو، میں یہاں تنہا بیٹھا ہوں اور مسلمانوں کا پورا مقدمہ تیار کر رہا ہوں اور عین اس مکان کے سامنے انڈین کانگریس کے بہترین دماغ مل جل کر جواب دعویٰ تیار کر رہے ہیں۔"

میں نے اس مختصر سی ملاقات میں محسوس کیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کی اتنی بھاری ذمہ داریاں اپنے منحنی کاندھوں پر سنبھالنے کے باوجود وہ پُر امید ہیں اور کسی قسم کی بے یقینی اور اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ انھیں اُس دن سفر کرنا تھا اور سفر بھی کس قدر ہنگامہ آفریں سفر! اُن کی مصروفیات بھی غیر معمولی تھیں

مگراس کے باوجود انھوں نے ملاقات کے دوران اپنے اضطراب، علالت اور بڑھی ہوئی مصروفیات کا احساس ہمیں نہیں ہونے دیا۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اپنے اضطراب کو شاید نہ چھپا سکتا۔ ہم نے خود اٹھ کر اجازت چاہی۔ تب انھوں نے ہمیں رخصت دی۔

## نظام جیسے لوگ

### نواب مشتاق احمد خان

۲۶/مئی ۱۹۴۸ء کی صبح میں قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں جیسے ہی اُن کے کمرے داخل ہوا انھوں نے اپنے مخصوص طریقے سے بلا کسی تمہید کے چھوٹتے ہی پوچھا "تمہیں اپنے مشن میں کہاں تک کامیابی ہوئی"؟ میں اپنی ناکام کوشش کی ناخوشگوار حقیقت کا فوری انکشاف نہیں کرنا چاہتا تھا اور جواب دینے کے لیے موزوں اور وضاحتی الفاظ تلاش کر رہا تھا کہ قائداعظم نے یہ کہہ کر خود ہی میری مشکل حل کردی۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کامیابی نہیں ہوئی"

مجھے لامحالہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا، مگر ناخوشگوار اعتراف کا اثر زائل کرنے کے لیے میں نے عرض کیا: "حضور نظام نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری عرضداشت پر غور کریں گے"

قائداعظم نے فرمایا "تم بالکل اس کا یقین نہ کرو۔ وہ تمہیں ویسے ہی ٹال رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ دوسروں کو ٹالتے رہے ہیں" پھر ذرا توقف کے بعد کہا:

"تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ میں ایسے لوگوں کا جو زندگی کی حقیقتوں سے فرار ہونے کی کوشش کریں۔ کیا حشر ہوتا ہے"

## اب ہندوستان غلام نہیں رہ سکتا

### مطلوب الحسن سیّد

دسمبر ۱۹۲۰ء میں کانگرس کا تاریخی اجلاس بڑے جوش و خروش کے ساتھ ناگپور میں منعقد ہوا۔ اس میں شرکت کرنے والے مندوبین کی تعداد قریباً پندرہ ہزار تھی۔ ان میں سے ۱۰۵۰ مسلمان تھے۔ مردوں کے علاوہ ۱۶۹ خواتین بھی شریک تھیں۔ کرنل ویسج وڈ، ہالفورڈ نائٹ اور بین سپور لیبر پارٹی کے نمائندوں

کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ مسٹر سی آر داس اپنے ساتھ ۲۵۰ جوانوں کا دستہ اس لیے لے کر آئے تھے کہ وہ قرارِ دادِ عدمِ تعاون کی ڈٹ کر مخالفت کریں گے۔ یہ اجلاس گاندھی کی بہت بڑی ذاتی فتح تھی۔ اجلاس کے صدر وجے راگھو آچاری قرارداد کے متعلق سوچھری کا رویہ رکھنے کے باوجود نرم دلی سے گاندھی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ قرارداد پیش ہونے سے پہلے داس اور لاجپت رائے جیسے کٹر مخالف بھی نہ صرف متفق ہوگئے بلکہ ایک نے یہ قرارداد پیش کی اور دوسرے نے اس کی تائید کی۔ جب قرارداد کھلے اجلاس میں پیش ہوئی تو فضا یک لخت بدل گئی پچاس ہزار سامعین نے بیک آواز اُسے منظور کر لیا۔ اتنے بڑے ہجوم میں صرف ایک دبلا پتلا اور لمبا تڑنگا جوان ایسا نکلا جس نے انتہائی جرأت سے کام لے کر قرارداد سے اختلاف کا اظہار کیا۔ یہ جوان محمد علی جناح تھا۔ اس کی جسارت پر پورا مجمع ششدر رہ گیا...... کرنل ویج وڈ نے اس بے باکی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "اس جوان کی جرأت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اب ہندوستان غلام نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس میں کم از کم ایک فرد تو ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اتنے بڑے ہجوم کے سامنے، جسے دیکھ کر آدمی گھبرا جائے بڑی دلیری سے اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔"

## بے ایمانی کی بجائے ہار جانا بہتر

جی الانا

۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات میں سندھ اسمبلی میں مسلمانوں کی ۳۵ نشستیں تھیں۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کے اُمیدواروں کی مدد کے لیے سات ممبروں کی ایک انتخابی کمیٹی مقرر کی اور مجھے اُس کا اعزازی سیکرٹری بنایا۔ انھوں نے کمیٹی کے ارکان کو وضاحت سے بتایا کہ حصولِ پاکستان کی جد و جہد میں سندھ ایک اہم صوبہ ہے۔ اس لیے ہمیں ۳۵ کی ۳۵ نشستیں حاصل کرنی چاہییں تاکہ یہاں مسلم لیگی وزارت بنائی جا سکے۔ پولنگ سے قریباً چار ہفتے پہلے قائداعظم کراچی تشریف لائے اور مجھے صحیح صورتِ حال بتانے کے لیے کہا۔ جب میں نے بتایا کہ ہم شاید پانچ نشستیں نہ جیت سکیں تو وہ پریشان سے ہو گئے۔ کیونکہ سندھ اسمبلی میں کل ساٹھ نشستیں تھیں۔ آخر میں مَیں نے عرض کیا کہ چار نشستوں کا معاملہ تو زیادہ مشکل نہیں البتہ پانچویں نشست جہاں جی ایم سید کھڑے ہیں، حاصل کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ انھوں نے غصّے سے میری طرف گھورتے ہوئے پوچھا: آخر اس حلقے میں ہمیں کامیابی کیوں نہ ہو گی؟ مَیں نے وضاحت کی جی ایم سید اپنے ضلع کے انتہائی

بااثر شخص ہیں۔ وہ ضلع دادو کے پیر ہیں اور اُن کے مریدوں کا بہت بڑا حلقہ ہے۔ اُن کے مقابلے میں ہمارے امیدوار قاضی محمد اکبر حیدرآباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ جی ایم سید کے حامی پروپیگنڈا کرتے پھر رہے ہیں کہ قاضی اکبر باہر کے آدمی ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا:

"میں جی ایم سید کی نشست کو انتہائی اہم سمجھتا ہوں اور قاضی اکبر کو بہر طور یہ انتخاب جیتنا ہے۔ تم اس حلقے میں لٹریچر کی بارش کر دو۔ ورکروں کی فوج بھیج دو۔ جلسے کرو اور قاضی اکبر کو انتخابی مہم کے لیے ہر قسم کی سہولت مہیا کرو۔ لیکن یہ بات یاد رکھو انتخاب جیتنے کے لیے نامناسب طریقے اختیار نہ کیے جائیں۔ ووٹروں کو کسی قسم کی رشوت نہ دی جائے۔ میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ ووٹ خریدنے کے لیے کسی ووٹر کو ایک روپیہ بھی دیا جائے۔ یہ بددیانتی اور بے ایمانی ہے۔ میں اِس بے ایمانی کے مقابلے میں ہار جانے کو ترجیح دُوں گا"

## رمضان میں دعوت سے انکار

نواب صدیق علی خان

قائداعظم کے اسلامی کردار کے بارے میں ایک تاریخی واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جارج ششم شاہ انگلستان کے زمانے میں ہندوستان کے لیے مزید اصلاحات کے سلسلے میں قائداعظم لندن تشریف لے گئے۔ مذاکرات جاری تھے کہ قصرِ بکنگھم سے ظہرانے کی دعوت موصول ہوئی۔ اِس زمانے میں قصرِ بکنگھم کی دعوت ایک اعزاز ہی نہیں بلکہ ایک یادگار موقع ہوتا تھا۔ لیکن قائداعظم نے یہ کہہ کر اس دعوت میں شرکت کرنے سے معذرت کر دی کہ:

"آج کل رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے اور اس میں مسلمان روزے رکھتے ہیں"

## غیر شائستہ الفاظ کا جواب

وہ وکلا کے پیشے کی عظمت و فخر کے بہت بڑے حامی تھے۔ اُس زمانے میں بہت سے جج انگریز ہوا کرتے تھے۔ اُن میں سے اکثر وکلاء کے لیے اور خاص طور پر ہندوستانی وکلاء کے لیے شائستہ

الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ بہت سے وکلا غیر شائستہ الفاظ سن کر اپنا غصہ پی جاتے تھے۔ لیکن جناب جناح ایسی کسی بات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خود پسند انگریز جج نے جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا تھا اُن سے کہا:

"جناح صاحب! اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کسی تیسرے درجہ کے مجسٹریٹ سے خطاب نہیں کر رہے ہیں"۔ جناح صاحب نے فوراً ہی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: "جناب والا! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو خبردار کر دوں کہ آپ بھی کسی تیسرے درجے کے وکیل سے مخاطب نہیں ہیں"۔

## مسلمان کو ایسی حرکت زیب نہیں دیتی

سیّد قاسم محمود

طہماسپ خان صوبہ سرحد کا سجیلا پٹھان تھا اور لاہور میں ٹانگہ چلاتا تھا۔ اُس نے اپنی پچھلی زندگی میں صرف ایک ہی خواہش کی تھی کہ ایک بار صرف ایک بار قائداعظم کو قریب سے دیکھے۔ اس مقصد کے لیے وہ مسلم نیشنل گارڈز میں شامل ہوگیا۔ ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس کے موقع پر گارڈز کا ایک دستہ شملہ روانہ ہوا تو طہماسپ بھی سالار کی منت سماجت کر کے اس میں شریک تھا۔ گارڈز اپنی اپنی جگہ پر با مورسلامی کے لیے کھڑے تھے۔ قائداعظم تشریف لائے اور جب طہماسپ کے قریب سے گزرنے لگے تو اُس نے دل میں سوچا "یہ سنہری موقع ہے"، وہ تمام قاعدے ضابطے توڑ کر آگے بڑھا اور جا کر قائداعظم کا ہاتھ چوم لیا۔ قائداعظم نے اُسے سرزنش کی:

"خبردار! تم مسلمان ہو، ایسی حرکت تمھیں زیب نہیں دیتی"۔

پھر انھوں نے نوجوان سے مصافحہ کیا اور تلقین کی: "ڈسپلن"۔

اُس دن سے لے کر مرتے دم تک اس نے کبھی گھوڑے کی راسیں دائیں ہاتھ میں نہیں تھامیں کہ اُس کی نظر میں وہ ہاتھ بہشتی ہو چکا تھا اور پھر اس نے کبھی ڈسپلن نہیں توڑا۔

## جناح کیپ کی خرید

عمر سعید نسیم

کوئٹہ میں قائداعظم نے ایک دن قاضی محمد عیسیٰ خاں کے سامنے ایک قراقلی ٹوپی خریدنے کی خواہش

کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ قاضی محمد عیسیٰ اپنے ہمراہ قائدِاعظم کو حاجی عوض علی مرحوم کی دکان پر (جو کہ اب شارع اقبال پر ہے) لے گئے۔ وہاں آپ نے قیمت پوچھی تو حاجی عوض علی مرحوم نے قیمت لینے سے صاف انکار کردیا اور درخواست کی کہ وہ بلاقیمت ٹوپی دینا چاہتے ہیں لیکن قائدِاعظم کو یہ گوارہ نہ تھا۔ وہ قیمت دینے پر مصر رہے بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر ردوکد کے بعد حاجی عوض قیمت لینے پر مجبور ہو گئے اور کہاکہ قائدِاعظم جو کچھ دیں گے وہ میں قبول کروں گا۔ مگر ایک شرط پر اور وہ بعد میں بتاؤں گا۔ قائدِاعظم نے ڈیڑھ سو روپے کا چیک حاجی عوض علی کو دے دیا۔ مگر حاجی صاحب نے شکریے کے ساتھ قبول کر کے کہا۔ "قاضی صاحب یہ چیک مسلم لیگ کے فنڈ میں دے دیا جائے"۔ چنانچہ وہ چیک مسلم لیگ کے فنڈ میں دے دیا گیا اور ٹوپی قائدِاعظم نے پہن لی۔ اس طرح اس کا نام جناح کیپ پڑ گیا۔

## ماؤنٹ بیٹن کی اصلاح

کیمبل جانسن

سٹاف میٹنگ میں مونٹ بیٹن نے تجویز رکھی کہ "کابینہ کے جلسے" میں پیش کرنے سے پہلے کاغذات کو اِدھر اُدھر سے دوبارہ زیرِ غور لایا جائے گا۔ اس پر لیاقت اور جناح نے اعتراضات کئے۔ انھوں نے سمجھا کہ کابینہ کا مطلب برطانیہ عظمیٰ کی کابینہ ہے۔ کافی دیر کے بعد واضح ہو سکا کہ جناح اور لیاقت کا کیا مطلب تھا۔ بعد میں جناح نے اپنی غلط فہمی کو تسلیم کیا اور کہا "تو آپ کو کہنا چاہیے تھا وائسرائے کی اگزیکیٹو کونسل۔ ہر بات کو واضح الفاظ میں بیان کرنا چاہیے"۔ مونٹ بیٹن نے کہا کہ جناح کا دماغ ہمیشہ آئینی اصطلاح میں سوچا کرتا تھا۔

## جناح کا اعزاز

کیمبل جانسن

کل رات مونٹ بیٹن اور لیڈی مونٹ بیٹن نے جناح کے اعزاز میں جو ڈنر پارٹی دی تھی اس کے بارے میں جارج ایبل سے بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔ مہمانوں کی تعداد مختصر سی تھی اور فضا قطعی غیر رسمی تھی۔ جناح کی طویل گفتگو میں مذاق کا کوئی پہلو نہ تھا۔ جو ونٹ بیٹن فضا کو دلچسپ اور پُر مذاق بنانے کے لیے اپنے پاس بیٹھے ہوتے مہمانوں سے مخاطب ہوئے اور جناح نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو اپنی ایک کہانی سنانا شروع کی۔

وائسرائے چونکہ بادشاہ کا ایک نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ رسم بن چکی ہے کہ وہ مہمانوں کو ڈرائنگ روم لے جائے اور پھر وہاں سے خود ہی سبھوں کو لے کر باہر آئے۔ لیکن اس ڈنر پارٹی میں ایسا نہیں ہوا ڈنر ختم ہونے کے فوراً بعد جناح اور مس جناح مونٹ بیٹن اور لیڈی مونٹ بیٹن کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے اور اُن کے ساتھ ساتھ نکل آئے۔

## بیلچے کا استعمال

عمر سعید فہیم

ایک دفعہ قائد اعظم قاضی محمد عیسیٰ کے بنگلے پر مقیم تھے کہ خاکساروں کا ایک دستہ اُن کے بنگلے پر آیا۔ وہ باوردی اور بیلچوں سے مسلح تھے۔ پہلے تو وہ قاضی عیسیٰ کے بنگلے کے سامنے کچھ دیر تک پریڈ کرتے رہے۔ پھر انھوں نے قاضی عیسیٰ کو اطلاع دی کہ وہ قائد اعظم سے ملنا چاہتے ہیں اور وہ بضد تھے۔ اِس وقت قاضی عیسیٰ کے ذہن میں وہ واقعات تھے کہ جب بمبئی میں ایک خاکسار نے قائدِ اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ قاضی عیسیٰ نے بتایا کہ وہ اس صورتِ حال پر خاصے پریشان تھے۔ پہلے تو انھوں نے ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر خاکسار نہ مانے تو انھوں نے قائد اعظم کو اطلاع دی۔ بابائے ملت بھی باہر شور سن کر دروازے پر آگئے تھے۔ انھوں نے بھی پوچھا کہ اُن کا مقصد کیا ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور مقصد نہیں بتاتے۔ اس پر قائد اعظم ملاقات کے کمرے میں آئے اور قاضی صاحب سے کہا کہ انھیں بلالیں۔ اس وقت قائد اعظم اور قاضی عیسیٰ صرف دو آدمی تھے اور خاکسار پانچ چھ تھے۔ قاضی عیسیٰ نے بتایا کہ میں سخت پریشان تھا۔ مگر میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ خدانخواستہ اِن خاکساروں نے کوئی حرکت کی تو قائد اعظم کو بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دوں گا۔ قائد اعظم کے حکم کے مطابق قاضی صاحب نے خاکساروں کو اندر بلالیا اور خود قائد اعظم کے قریب کھڑے ہو گئے۔ خاکسار ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئے ایک قطار میں کھڑے ہو کر فوجی طریقے سے سلامی دی اُن کے سالار نے آگے بڑھ کر دو زانو ہو کر اپنا بیلچہ قائد اعظم کو پیش کیا اور کہا ہمارے قائد کا حکم ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں بیلچہ پیش کریں۔ ہم اسی لیے آئے ہیں، اسے قبول فرمائیں۔ قائد اعظم نے بیلچہ لے لیا۔ خاکسار لیڈر نے سلامی دی اور اپنے دستے کے ہمراہ واپس چلا گیا۔ اُن کے جانے کے بعد

جناح نے جواب دیا: "میں بیرسٹر ہوں، ایکٹر نہیں۔"

جج بات پی گیا، تھوڑی دیر بعد پھر مجبور ہو کر بولا: "مسٹر جناح، میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذرا اونچا بولئے۔"

جناح نے کہا: "اگر جناب کتابوں کا انبار اپنے سامنے سے ہٹا دیں، تو مجھے بآسانی سن سکیں گے۔"

## لیاقت محنت سے آتی ہے

ایک بار کوئی صاحب بیرسٹری کی سند لے کر اپنے باپ کے ہمراہ قائداعظم کے پاس آئے۔ باپ نے عرض کی:

"یہ میرا بیٹا ہے اس کو اپنے جیسا لائق بنا دیجیے۔"

قائداعظم بولے: "یہ خوشی سے اگر میرے دفتر میں کام کریں، لیکن لیاقت انھیں خود اپنی محنت سے پیدا کرنا ہوگی۔"

## تھرڈ کلاس کے ٹکٹ میں فرسٹ کلاس کا مسافر

کہا جاتا ہے ایک شخص کسی مقدمہ کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب فیس سنی تو کہنے لگا:

"اتنی رقم تو میں ادا نہیں کر سکتا۔" قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر "پل مین" میں سفر نہیں جا سکتا۔"

واضح رہے کہ بمبئی میں ایک "پل مین" بس سروس تھی جس میں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ نہیں ہوتا تھا۔"

## خواتین کے سامنے سگریٹ نوشی سے پرہیز۔ کانجی دوارکاداس

وہ اس قدر شائستہ تھے کہ خواتین کے سامنے بالعموم سگریٹ نوشی سے پرہیز کرتے تھے۔ اس ضمن میں اس عہد کی ایک مشہور خاتون رہنما ڈاکٹر مسز بیسنٹ کا ذکر ہے کہ وہ تمباکو نوشی پسند نہیں کرتی

تھیں، چنانچہ موصوفہ کے کمرے میں ملاقات کے لیے جانے سے پیشتر جناح صاحب سگار باہر ہی پھینک دیا کرتے تھے۔ مسز بیسنٹ کو اُن کی تمباکو نوشی کی عادت کا علم تھا۔ انھوں نے کئی بار اصرار کے ساتھ جناح صاحب کو سگار نوشی پر آمادہ کیا لیکن انھوں نے مسز بیسنٹ کے روبرو کبھی سگار نہ پیا۔"

## قائداعظم کو آغا خاں کی نصیحت

ایک روز جب دِن کا کام ختم ہو چکا تھا وہ شام کے وقت میرے کلکتے کے مکان کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اِس موقع پر انھوں نے اس نصیحت کا ذکر کیا۔ جو ایک مرتبہ آغا خاں نے انھیں اس وقت کی تھی جب وہ دونوں جوان تھے اور کہا کہ انھیں اس نصیحت سے بہت فائدہ پہنچا ہے، وہ نصیحت یہ تھی:

"کسی کو بھی کسی سے ملنے سے انکار نہ کرنا چاہیے خواہ وہ اُسے کتنا ہی ناپسند کرتا ہو یا اس کے خیالات سے کتنا ہی غیر متفق ہو۔" آغا خان نے اُن سے کہا: "جناح! اگر خود شیطان بھی تم سے ملنا چاہے تو تمھیں اس کی ملاقات سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ اُس کی بات سُن لو۔ یہ ضروری نہیں کہ تم اُس کے خیالات سے اتفاق کرو یا اُس کی نصیحت قبول کرو۔ تمھیں کیا معلوم کہ شاید وہ کوئی ایسی بات بتا سکے جو تمھارے فائدے کی ہو یا بہت عمدہ نصیحت و ہدایت ثابت ہو۔"

مسٹر جناح نے مجھ سے کہا: "تمھیں بھی یہی حکمت عملی اختیار کرنا چاہیے بلکہ تمھیں چاہیے کہ اِسے اپنی زندگی کا ایک زرّیں اصول بنالو۔" میں نے یہ نصیحت قبول کی اور اِس کی وجہ سے نفع ہی میں رہا۔

## انڈہ تو میں بھی پکا سکتا ہوں

قائداعظم کشمیر میں تھے کھانا کھاتے ہوئے کسی نے کہا کہ مہاراجہ ہری سنگھ بڑے اچھے کھانے پکانا جانتے ہے۔ قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "انڈہ تو میں بھی پکا سکتا ہوں۔ البتہ مہاراجہ پسند کرے تو میں اُسے اپنے ساتھ بمبئی لے جانے کو تیار ہوں مجھے ایک اچھے باورچی کی ضرورت ہے۔"

## ابلیس اور بائبل کا حوالہ

ایک دفعہ مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسٹر جارج بیل نے تقریر کرتے ہوئے امریکہ کے صدر براہام لنکن کا حوالہ دیا۔ قائد اعظم نے فوراً کہا "دیکھئے ابلیس بائبل کا حوالہ دے رہا ہے حالانکہ اُس نے کبھی بائبل پڑھی تک نہیں!"

## "ڈان" سے بھی محفوظ

ایک موقع پر بیگم غلام حسین ہدایت اللہ نے آپ کے بازو پر امام ضامن باندھا۔ ڈان کے ایڈیٹر مسٹر الطاف حسین بھی پاس کھڑے تھے۔ قائد اعظم نے اُن کو اپنا بازو دکھاتے ہوئے کہا:

"اب میں ڈان سے بھی محفوظ ہوں!"

## چائے کا اُبال

آپ اوٹا کمنڈ جا رہے تھے راستے میں چائے پینے کے لیے ایک اسٹیشن پر اترے تو آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو گیا...... آپ کے سیکرٹری نے آپ کی توجہ اِس ہجوم کی طرف دلائی تو مسکراتے ہوئے فرمانے لگے "چائے کی پیالی کا اُبال ہے ابھی ختم ہو جائے گا۔"

## نمکین فیرنی

مشہور مسلم لیگی رہنما ملک برکت علی مرحوم کے صاحبزادے کی شادی تھی۔ قائد اعظم اور میاں سر فضل حسین کے سامنے فیرنی کی جو پلیٹ آئی وہ نمکین تھی۔ انھوں نے چکھا تو ملک برکت علی مرحوم سے کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے، لاہور سے میری پانچ سال کی غیر حاضری میں یہاں کے کھانوں کا مذاق بھی بدل گیا ہے!" ملک صاحب نے کہا "آپ ہی بدل گئے ہیں، ہمارا مذاق تو نہیں بدلا!" سر فضل حسین نے پوچھا "تو پھر یہ نمکین فیرنی کیوں؟" اِس پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور قائد اعظم نے فوراً کہا: "اِس لیے کہ آپ زیادہ سے زیادہ نمک حلالی کرتے رہیں!"

## گاندھی کی اندرونی روشنی

ایک مرتبہ گاندھی اور قائداعظم میں ایک بات طے ہو گئی۔ مگر اگلے دن گاندھی جی نے اعلان کیا کہ میری "اندرونی روشنی" نے مجھے بتایا ہے کہ یہ فیصلہ درست نہیں ہے۔ جب قائداعظم کے سیکرٹری نے اُن کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو آپ نے فرمایا:

"جہنم میں جائے اس کی اندرونی روشنی۔ صاف طور پر کیوں نہ کہہ دیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔"

## فیصلے کی پابندی

کاروباری دیانت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کی فیس ادا نہیں کر سکتا لیکن چاہتا ہوں کہ آپ میری وکالت کریں۔ کامیابی کے بعد جو کچھ ہو سکا آپ کی نذر کر دوں گا۔ آپ نے مقدمہ کی پیروی کی اور کامیاب ہو گئے۔ اس شخص نے کچھ رقم پیش کرنی چاہی۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے فیصلہ ہو چکا ہے کہ فیس نہیں لی جائے گی۔

## صرف فیس، کچھ زائد نہیں

ایک مرتبہ جب ایک موکل نے مقدمہ میں کامیابی کی خوشی میں مقررہ فیس سے زیادہ رقم آپ کی خدمت میں بھیج دی تو آپ نے فیس رکھ لی اور باقی رقم واپس کر کے لکھ دیا کہ "میں نے اپنی فیس لے لی ہے، اور باقی رقم واپس ارسال ہے۔"

## باضابطہ رسید

مطلوب الحسن سیّد

قائداعظم عطیات اور چندے کی رقوم کے معاملے میں انتہائی محتاط واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے بنکوں میں مختلف مدوں کے تحت اکاؤنٹ کھول رکھے تھے۔ جیسے ہی ڈاک سے یا دستی طور پر کوئی رقم موصول ہوتی وہ اسی دن بنک میں متعلقہ مد کے اندر جمع کروا دیتے۔ رقم دینے والے کی خواہشات کا پورا احترام کرتے اور اگر وہ اپنا نام ریکارڈ میں ظاہر کرنا پسند نہ کرتا تو وہ اس کا نام نہ آنے دیتے۔ مگر رقم کی رسید اُسے بہرصورت

ضرور دیتے۔ لیکن اگر بنک میں روپیہ جمع کرنے کا وقت گزر جاتا تو علیحدہ لفافے میں رقم رکھ کر اُس پر اپنے ہاتھ سے نوٹ لکھ دیتے کہ اگلے دن یہ رقم فلاں اکاؤنٹ میں جمع کرائی جائے اور باضابطہ رسید معلی کو بھیجی جائے

## جناح کو رشوت

ابراھیم اسماعیل چندریگر

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جب ملک کو فیڈریشن کی پیش کش ہوئی تو اُس وقت ہندوستانی لیڈروں میں قائد اعظم ہی ایک ایسے رہنما تھے جنھوں نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اِس پر وزیر اعظم برطانیہ لارڈ ریمزے میکڈانلڈ نے قائد اعظم کو ایک پرائیویٹ گفتگو کے لیے بلایا اور ان کو یہ کہہ کر خریدنے کی کوشش کی: "اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو دوسرا کیوں نہ بن سکتا۔ اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور کیوں نہیں کر سکتا" (گویا ارشاد فرمایا جا رہا تھا کہ اگر آپ فیڈریشن کی مخالفت ترک کر دیں تو ہم آپ کو لارڈ کا خطاب دے کر کسی صوبے کا گورنر بنا دیں گے)

اِس پر قائد اعظم لارڈ ریمزے کے کمرے سے بغیر کسی تمہید کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بات برطانوی وزیر اعظم کے لیے انتہائی تعجب کا باعث ہوئی اور وہ حیران ہو کر قائد اعظم کے ساتھ دروازے تک آیا اور جب اُس نے الوداع کہنے کے لیے مصافحے کا ہاتھ بڑھایا تو قائد اعظم نے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ اب تو برطانوی وزیر اعظم مارے خجالت کے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اُس نے پوچھا:

"آخر یہ کیوں؟"

قائد اعظم نے سنجیدگی سے جواب دیا:

اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا۔ آپ کے خیال میں مَیں کوئی بکاؤ مال ہوں۔"

## روپے کی قدر

جب وہ زیارت میں شدید طور پر بیمار تھے تو انھوں نے محسوس کیا کہ اُن کے پاس چند گرم بنیانیں ضرور ہونی چاہییں۔ ایک خدمتگار انھیں کوئٹہ کی ایک دکان سے خرید کر لے آیا۔ لیکن وہ بڑی گھٹیا

قسم کی تھیں کیونکہ ایک ہی دفعہ دھلنے کے بعد اُن میں چھید دکھائی دینے لگ گئے۔ قائداعظم نے اسس خادم کو کوئٹہ واپس بھیجا تاکہ وہ اُن کی قیمت کم کرانے کی کوشش کرے۔ وہ دکاندار سے پانچ روپے واپس لے آیا۔ قائداعظم نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا: "بھلے آدمی ! تمھیں روپے کی قدر کرنے کا سلیقہ آنا چاہیے"

## خرچ کرنے سے پہلے دو مرتبہ سوچیں

اُس وقت بھی جب کہ اُن پر موت کے سائے بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے وہ بلا ضرورت رقم خرچ کرنے سے پہلے دو مرتبہ سوچتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے وہ ان کا اپنا نہیں ہے۔ وہ اُن کی قوم کی امانت ہے۔ جب موسم میں زیادہ سردی ہوئی تو انھوں نے اپنے لیے کھڈی کے بُنے ہُوئے کپڑے کے پاجاموں کا آرڈر دیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کے حق میں نہ تھے۔ اُن کی رائے کے مطابق اُن کے لیے اُونی پاجامے ضروری تھے۔ لیکن قائداعظم اب بھی اصرار کر رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: "دیکھیے ڈاکٹر صاحب! میری بات سنئے! میری یہ نصیحت پلے باندھ لیجیے کہ جب بھی آپ کسی چیز پر کوئی رقم خرچ کرنے لگیں تو دو مرتبہ سوچیں کہ یہ خرچ ضروری بھی ہے کہ نہیں"

## ذاتی رائے

۱۴/ جولائی ۱۹۴۷ء کو دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں اخباری نمائندوں نے آپ سے پاکستان کے تنظیمی ڈھانچے اور آئین کے متعلق متعدد استفسارات کئے۔ آپ نے ہر سوال کا یہی مختصر جواب دیا کہ اس مسئلہ پر فیصلہ کرنے کا دستور ساز اسمبلی کو اختیار حاصل ہے۔ ایک صحافی نے کہا ہم آپ کی ذاتی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

قائداعظم ایسے معاملات پر جو دستور ساز اسمبلی کے زیرِ غور آنے والے ہوں کوئی ذمہ دار آدمی کیسے قبل از وقت رائے دے سکتا ہے۔ آپ اس نامناسب سوال پر اصرار نہ کریں۔ بہتر ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے فیصلوں کا انتظار کیا جائے۔

## ڈیڑھ ہزار روپے روزانہ آمدنی

سَر چارلس اولیونٹ اُن کے کام سے اتنا مطمئن تھا کہ اُس نے انھیں ایک مستقل مجسٹریٹ کے عہدے کی پیش کی۔ وہ اپنے خیال کے مطابق اس وکیل پر جو ایک بھی مقدمہ حاصل نہیں کر سکا تھا خصوصی مہربانی کر رہا تھا۔ اس نے محمد علی سے کہا: "دیکھئے مسٹر جناح! کیا آپ ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار پر ایک مستقل ملازمت پسند کریں گے؟" محمد علی جناح نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا: "سَر چارلس! اس پیش کش کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ لیکن میں تو ڈیڑھ ہزار روپیہ روزانہ کمانے کی توقع لگائے بیٹھا ہوں۔"

## بھانجے کو نصیحت

قائدِ اعظم کے بھانجے بیرسٹر پیر بھائی بمبئی میں وکالت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آئے۔ قائدِ اعظم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کب تک ٹھہرو گے۔ پیر بھائی بولے میں کراچی میں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ قائدِ اعظم نے کہا میری قرابت داری کی وجہ سے تمھاری اہلیت اور ہماری ضرورت کے باوجود یہاں تمہیں کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ پیر بھائی نے کہا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ملازمت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ الگ تھلگ وکالت کروں گا۔ قائدِ اعظم نے کہا: مجھے معلوم ہے تم اچھے وکیل ہو لیکن میرے احترام کی وجہ سے اہلِ مقدمہ اور عدالتوں کا تمھارے حق میں رجوع خارج از امکان نہیں۔ لہٰذا میں تمھیں وکالت کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ پیر بھائی ماموں جان کی مشفقانہ نصیحت سُن کر بمبئی واپس چلے گئے۔ انھوں نے وکالت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اب اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا میں مجاہدِ دکن محمد قاسم رضوی کا مقدمہ آپ نے لڑا تھا۔

## ملّت کا مفاد

خواجہ ناظم الدین قائدِ اعظم کے نہایت ہی قریبی رفیق تھے۔ اُن کا ایثار ضرب المثل تھا۔ ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات میں سہروردی کے دھڑے کے مقابلے میں اُن کی رضا کارانہ دست برداری سے قرون

اوائل میں مسلمانوں کی عہدہ اور اقتدار سے بے نیازی کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔ چھ ماہ بعد انگریزوں نے ہندوستان میں نمائندہ مرکزی وزارت کی تجویز مرتب کی جس میں پانچ مسلمان ارکان شامل تھے۔ اُن میں سے ایک خواجہ ناظم الدین تھے۔ اُس وقت بوجوہ مسلم لیگ نے سکیم منظور نہ کی لیکن کچھ عرصہ بعد ستمبر ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے عبوری مرکزی وزارت کی دوسری سکیم منظور کر لی جس میں اس کو پانچ ارکان نامزد کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا۔ اُس وقت قائداعظم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ پاکستان کے مسئلہ پر استصواب یا بنگال اسمبلی میں رائے شماری کے وقت مسلمانوں کو اچھوتوں کی تائید میسر آنے سے ملت کی طاقت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ مسلم لیگ کے حصہ کی ایک وزارت اچھوتوں کو دے کر انھیں ممنون کیا جائے۔ چنانچہ بنگال کے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل کو مسلم لیگ کے حصہ میں مرکزی وزیر بنوا دیا گیا۔

ناظم الدین جیسے معتمد اور لائق رفیق کو جسے حکومت برطانیہ خود اِس عہدے کے لیے نامزد کر چکی تھی اور جو چند ماہ پہلے اتحاد ملت کی خاطر وزارت اعلیٰ سے دست کش ہو چکا تھا نظر انداز کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لیکن قائداعظم نے کسی توقف کے بغیر اس جان نثار ساتھی کو ملت کے مفاد پر قربان کر دیا۔

## قائداعظم خواتین کے جھرمٹ میں

نور الصباح بیگم

ٹھیک دس بجے ہم اپنے محبوب قائد کی کوٹھی کے اندر تھے۔ اور اب سینکڑوں مسلم لیگ کے پرچم ہوا میں لہرا رہے تھے۔ جیسے ہی ہم کوٹھی کے اندر داخل ہوئے "اللہ اکبر" کا پر جوش نعرہ بلند ہوا — محترمہ فاطمہ جناح مسکراتی ہوئی برآمد ہوئیں۔ ان کو دیکھ کر ہم نے "قائداعظم زندہ باد" کا زوردار نعرہ بلند کیا۔ محترمہ نے قریب آکر بتایا کہ قائداعظم ہم سے ملنے باہر تشریف لا رہے ہیں۔

چند منٹ میں قائداعظم کا متین اور سنجیدہ چہرہ مگر بے حد شگفتہ ہمارے سامنے تھا اور ہم سب خواتین ایک سرفروشانہ جذبے کے ساتھ اپنے رہبر کے سامنے کھڑی تھیں۔ ہمارے دل عقیدت اور مسرت سے لبریز تھے۔ دو منٹ کے اندر ہزاروں کی تعداد میں پھولوں کے ہار خواتین کے ہاتھوں میں لٹکتے ہوئے نظر آئے اور قائداعظم کے گلے میں پہنانے کی کوشش میں وہ ایک دوسری سے سبقت لے جانے کی کوشش میں بے تاب ہوگئیں۔ میرے ہاتھ میں مسلم لیگ کا بڑا سا سبز پرچم تھا۔ میں نے گھبرا کر برابر کھڑی ہوئی کسی خاتون

کو تھمادیا اور انتہائی عقیدت کے ساتھ قائداعظم کے گلے میں پہنادیا۔ مگر اُس وقت نہ جانے کتنے ہار اُن کے گلے کی زینت بن چکے تھے۔ فضا میں "قائداعظم زندہ باد" "پاکستان زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے گونج پیدا ہو چکی تھی۔ قائداعظم کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار تھے۔ جب ہار زیادہ تک پہنچ جاتے تو وہ اُتار کر مس فاطمہ جناح صاحبہ کو دے دیتے اور ہم کو مخاطب کرنے کی کوشش کرتے اتنی ہی دیر میں اتنے ہی ہار گلے میں پہنچ جاتے۔ دو گھنٹے تک اسی طرح سلسلہ جاری رہا اور ہار پہنانے ہی سے فرصت نہ ملی کہ قائداعظم ہم سے تخاطب فرماتے اور اب وہ بے حد تھک چکے تھے۔ آخر میں انھوں نے صرف چند الفاظ میں خواتین کی اس جدوجہد کی جو انھوں نے حصولِ آزادی کے لیے کی تھی تعریف کی اور سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔

بعد کو اخبارات نے خبر شائع کی کہ اِس جلوس میں پندرہ بیس ہزار خواتین تھیں۔

# فضل حسین کو التجا

مسلم لیگ کی تنظیمِ جدید شروع ہوئے دو سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ قائداعظم زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو پرانی رنجشوں اور رقابتوں کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے تھے کہ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی آئندہ صدارت کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں کی سیاست میں صوبہ پنجاب کا مقام سب سے منفرد تھا اور پنجاب کے مسلمانوں میں فضل حسین کی انتظامی صلاحیتوں اور قابلیت کا بڑا احترام تھا۔ لہٰذا اتحاد بین المسلمین کو مزید تقویت دینے کے لیے آپ نے فضل حسین کو دعوت دی کہ مسلم لیگ کی صدارت قبول کر لے۔ آپ نے ایک نہایت محبت بھرے خط میں وضاحت کی کہ تاریخ اس نازک موڑ پر مسلمانانِ ہند کو جس اولوالعزم قیادت کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہم سب کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ اس لیے میری اس پیش کش کو ایک پُرخلوص التجا سمجھ کر قبول فرمایئے گا۔ فضل حسین نے اس پیش کش کا فائدہ نہ اٹھایا نہ اس کی اپنی ذمہ داری تھی، لیکن صدارتوں اور عہدوں کی خاطر سیاسی جماعتوں بالخصوص مسلم لیگ کی تقسیم در تقسیم کرنے والے سیاستدانوں کے لیے فضل حسین کے نام قائداعظم کا ۵ / جنوری ۱۹۳۶ء کا خط اپنی جگہ پر ایک فکرانگیز دستاویز ہے۔

# پاکستان کے دروازے ہر مسلمان کے لیے کھلے ہیں

مرزا اسماعیل ریاستی ہند کا ایک سرکردہ عہدیدار تھا۔ کئی ریاستوں میں وزیر اعلیٰ رہ چکا تھا۔ مسلمانوں کو اس رویے سے عموماً شکایت رہتی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ سے ایک مرتبہ قائد اعظم اور والئ دکن میں بدمزگی بھی ہوگئی تھی۔ پاکستان بنا تو اچھے منتظمین کی بہت ضرورت تھی۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو تعمیر پاکستان میں حصہ بٹانے کی صلائے عام دی گئی تھی۔ ناگہاں آپ کو خیال گذرا مرزا اسماعیل بھی ایک اچھا منتظم ہے۔ ہو سکتا ہے پاکستان کی خدمت کا شوق رکھتا ہو۔ لیکن سابقہ تلخیوں کی وجہ سے رک جائے۔ فوراً پیغام بھیجا۔ پرانی باتوں کا کسی سے کوئی گلہ نہیں ہو سکے تو پاکستان چلے آؤ۔ پاکستان کے دروازے ہر مسلمان کے لیے کھلے ہیں۔ اس لیے آپ اس کی تعمیر میں ہمارا ہاتھ بٹائیں تو بڑی اچھی بات ہے۔ مرزا اسمٰعیل پاکستان تو نہ آسکا لیکن مدتوں اپنے احباب سے قائد اعظم کی عالی ظرفی کا تذکرہ کرتا رہا۔

# جناح ایک سرجن

بیور لی نکلس

جناح معذرت کر کے دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ میں عالمِ تصور میں کھو جاتا ہوں۔ زمانہ تیزی سے گذر رہا ہے نہیں نہیں گردشِ زمانہ رک گئی ہے۔ میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں، تاہم مجھے اتنا غصہ نہیں۔ جناح نے انگریزوں کی حکمتِ عملی پر بڑی نکتہ چینی ہے۔ میں نے اس مکالمے میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بے لاگ اور تعمیری تنقید بغض اور عداوت کی آئینہ دار نہیں ہے۔ ہندو لیڈروں کی دشنام ترازی اور دل آزاری کی بجائے اس نے معقول انداز میں انگریزوں کی خامیاں گنوائی ہیں۔ پھر اس نے ہندوستان کے جسد سیاست کا قریب سے مشاہدہ کر کے سرطان گزیدہ مقام پر علامتی نشان لگا دیا ہے۔ وہ ایک ایسا سرجن ہے جس کی چابک دستی اور نشتر کی پاکیزگی دونوں صفات پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جناح نے جاتے ہوئے کہا تھا انگریزوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں اُن کا کوئی دوست نہیں ہے۔ ایک ہندو لیڈر چیخ چنگھاڑ کر یہی بات کہہ کر خوش ہوتا ہے۔ جناح نے یہی بات شائستگی سے

کی اور انھیں اس کا بڑا دکھ تھا۔ لیجئے اب میزبان کرے میں واپس آ رہے ہیں۔ ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔

ج: میں کہہ رہا تھا کہ انگریزوں کو گہری سوچ بچار سے کام لینا ہوگا۔ مگر یہ اُن کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ اپنے حال میں مگن رہتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ حالات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ جیسا وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔ ہاں اگر وہ کسی معاملہ پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو ایک زیرک قوم کی طرح معاملات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ دیکھئے ہندوستانی معاملات پر اِن کے مفکر "جان برائٹ" نے کیا لکھا ہے۔ کیا آپ نے اُن کی تقریروں کا مطالعہ کیا ہے۔

ب: سکول چھوڑنے بعد کبھی نہیں۔

ج خوب! اس کی یہ کتاب دیکھئے۔ مجھے ایک روز اتفاقاً مل گئی۔ انھوں نے کتاب مجھے دے دی یہ ایک پرانی کتاب ہے جس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں لکھے ہوئے صفحہ پر ۲۴ جون ۱۸۵۸ء کی تاریخ درج ہے۔ برطانوی دارالعلوم میں اس روز اس نے اپنی تقریر میں کہا:

"کون کہہ سکتا ہے برطانیہ کب تک ہندوستان پر حکومت کرے گا۔

فرض کیجئے ۵۰ سال، ۱۰۰ سال، ۵۰۰ سال، کیا کوئی ذی فہم آدمی یہ تصور کرتا ہے کہ اتنے وسیع و عریض علاقے کو جس میں کم از کم بیس قومیں آباد ہیں اور تقریباً اتنی ہی زبانیں مستعمل ہیں ایک انتظامی وحدت میں جکڑا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل ناممکن بات ہے"

میں نے کتاب لوٹا دی۔

ج: جان برائٹ نے جو کچھ لکھا تھا آج تک صحیح ہے فرق صرف یہ ہے کہ اُس وقت بیس قوموں یا زبانوں کا نہیں بلکہ دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ درپیش ہے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود سارا ادغام کیوں نہیں ہوا۔ کیونکہ مسلمان بیدار ہو چکے ہیں اور تجربے نے انھیں سکھا دیا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو اِن سے کیا سلوک کریں گے۔ متحدہ ہندوستان کے معنی ہیں ہندوؤں کا ہندوستان۔ جس پر ہندوؤں کا تسلط ہو۔ اُن کا غلبہ ہو۔ اس کے علاوہ

آپ جو بھی معنی پہنائیں گے غلط ہوں گے۔

"موجودہ متحدہ ہندوستان" انگریزوں کی تخلیق ہے۔ یہ اِن کی تلوار کا کرشمہ ہے، ورنہ برطانیہ مارکہ ہندوستان کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ ایک کاغذی کھلونا یا گوشت پوست سے عاری موم کا مجسمہ ہے۔ یہ ایک قومی وطن ہرگز نہیں ہے۔

## کارکن خواتین پر فخر

نورالصباح بیگم

یہ سات جنوری ۱۹۴۶ء کا تذکرہ ہے کہ ہم اور بیگم حسین ملک قائداعظم کی خدمت میں ۱۰ اورنگ زیب روڈ پران کی کوٹھی میں حاضر ہوئے تاکہ قائداعظم کی خدمت میں دس ہزار ایک سو دس روپیہ کا چیک دہلی مسلم لیگ خواتین سب کیٹی کی جانب سے بہار فنڈ کے لیے پیش کریں۔ اس وقت ان کے پاس سر سٹیفورڈ کرپس، سر الفریڈ الیگزنڈر اور سر پیتھک لارنس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے ہمراہ بیگم سید احمد شاہ بخاری میں بھی تھیں۔ ہم نے سوچا کہ شاید ہم غلط وقت پر آگئے۔ باریابی مشکل ہے مگر ہمارا وقت مقرر تھا۔ اطلاع سے چند منٹ بعد قائداعظم کے سیکرٹری خورشید حسن خورشید مسکراتے ہوئے باہر نکلے ہمیں ساتھ لے کر اندر گئے تو ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تینوں انگریز جس کمرے میں بیٹھے تھے۔ وہاں ہی ہم کو بھی طلب کر لیا گیا ہے۔ قائداعظم ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور تینوں سے ہمارا تعارف کرایا۔ بیگم حسن ملک نے جو ہماری کیٹی کی صدر تھیں چیک پیش کیا۔ قائداعظم نے اس چیک کے لیے شکریہ ادا کیا اور فخریہ نگاہوں سے ہم تینوں خواتین کی جانب دیکھ کر سر سٹیفورڈ کرپس سے کہا:

"میری قوم کی عورتیں اِس طرح قوم کی خدمت کر رہی ہیں"

سر سٹیفورڈ کرپس نے بھی اخلاقاً ہم لوگوں سے چند باتیں کیں اور ہم اجازت لے کر واپس چلے آئے بعد کو ۱۹ جنوری کو قائداعظم نے اِس چیک کی رسید روانہ فرمادی۔

## خواتین سے گھریلو باتیں

نورالصباح بیگم

بیگم حسین ملک نے ۱۹۴۶ء میں ہی دہلی کے مشہور ریستوران پکاڈلی میں قائداعظم کو عصرانہ دیا...

"ہمیں بہ بالکل علم نہ تھا کہ آج ہمیں قائداعظم کی میز پر اِن کے ساتھ چائے پینا ہو گی۔ چھ چھ آدمیوں

کے لیے ایک میز پر انتظام پر تھا۔ بالکل سامنے کی میز پر ہماری میزبان نے ہمیں جگہ دی۔ ہمارے ہمراہ ہمارے شوہر بھی تھے۔ چند منٹ بعد قائدِ اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح تشریف لائے اور ہماری ہی میز پر برابر برابر سامنے کی طرف دونوں کو بٹھایا گیا۔ باقی دو کرسیوں پر حسین ملک صاحب اور بیگم حسین ملک بیٹھ گئے۔ بیگم حسین ملک نے ہمیں قائدِ اعظم کی میز پر اِس لیے خصوصیت سے جگہ دی تھی کہ وہ خود مسلم لیگ خواتین سب کمیٹی کی صدر تھیں اور ہیں جنرل سیکرٹری تھی۔ ہیں قائدِ اعظم کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی اور بیگم حسین ملک محترمہ فاطمہ جناح کے سامنے تھیں۔ ہم سے اِس روز قائدِ اعظم نے بالکل گھریلو قسم کی باتیں کیں میرے خاندان اور میرے بچوں کے بارے استفسار کیا۔ حسین ملک صاحب نے مزاحیہ طریقے سے کہا کہ

"اِنھوں نے مسلم لیگ کی وجہ سے اپنے خاندان سے تو بغاوت کی ہوئی ہے"، تو قائدِ اعظم مسکرانے لگے اور فرمایا:

"حسین! ایسی عورتیں قابلِ عزت ہیں"

## اتحاد، ایمان، تنظیم۔ محض ایک نعرہ نہ تھا۔ چوھدری محمد علی

پاکستان کی زندگی کا سالِ اوّل کچھ ایسے اہم مسائل لے کر طلوع ہوا کہ ان پر کابینہ میں غور وخوض کرتے وقت قائدِ اعظم کی رہنمائی ضروری تھی، چنانچہ کابینہ کے اکثر اجلاسوں کی صدارت قائدِ اعظم خود کیا کرتے تھے۔ وہ آزادانہ بحث مباحثے کا موقع دیا کرتے تھے اور اپنا نقطۂ نظر پُرزور استدلال کے ساتھ پیش کرتے لیکن مخالف کی رائے کو بھی کھلے دِل سے سنتے، بشرطیکہ وہ حقائق اور معقولیت پر مبنی ہو۔ انھیں غصہ صرف دانشورانہ بددیانتی اور احمقانہ ضد پر آتا تھا سو وہ اپنے ساتھیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے اور بڑے صبر و تحمل سے کسی پالیسی کے اچھے اور بُرے پہلو واضح کرتے۔ جو کاغذ بھی اُن کے سامنے پیش کیا جاتا اُسے نہایت احتیاط اور ایمانداری سے پڑھتے۔ بے لوث صداقت شناس کی طرح اُن کی جفاکشی بھی حیران کن تھی۔ اُن کی نگاہ سے کسی معاملے کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی مخفی نہ رہتی تھی۔ سخت نامساعد حالات میں بھی نہ اُن کی سوجھ بوجھ نے جواب دیا اور نہ ضبط کا دامن ہاتھ سے

چھوٹا ملک کئی مہلک خطرات سے دوچار ہوا لیکن اُن کے حوصلہ و جرأت نے اُسے سنبھالے رکھا۔ اُن کا ماٹو اتحاد، یقین اور تنظیم محض ایک نعرہ نہ تھا۔ یہ درحقیقت اُس تجربے کا ایک غیر مبہم اظہار تھا۔ جس سے قائداعظم اپنی قوم کے ساتھ کامیاب و کامران گزرے تھے۔

## ضرورت سے بڑھ کر دستور کی پابندی چودھری محمد علی

جناح مسلمانوں کے متفقہ لیڈر تھے اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انھیں وسیع اختیارات حاصل تھے پھر بھی وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرتے تھے اور جب بھی دستوری طور پر ضروری ہوتا پہلے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ یا کونسل کی منظوری لینے پر اصرار کرتے۔ مونٹ بیٹن اور دوسرے لوگ اِس پر بے حد جھلاتے اور پیچ و تاب کھاتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ضرورت سے بڑھ کر دستور کی پابندی تھی انھیں شبہ تھا کہ اس طرح جناح مہلت حاصل کرنے یا پابندی قبول نہ کرنے کی گہری چال چلتے تھے۔ درحقیقت یہ عمل اخلاص پر مبنی تھا۔ جناح کا اعتقاد تھا کہ انسان دستوری طور پر عطا کردہ اختیارات کی حد میں رہ کر ہی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

## جناح۔ ایک زبردست قوّت! روزنامہ "ملاپ" جالندھر

متحدہ ہندوستان نے مسٹر جناح سے زیادہ مضبوط ارادے والا اور سخت آدمی آج تک پیدا نہیں کیا۔ مسٹر جناح نے اپنے سامنے جو آدرش رکھا، اس پر چٹان کی طرح قائم رہے۔ مخالفتوں کے طوفان، نکتہ چینی کی آندھیاں، نامناسب حالات کے جھکڑ کوئی بھی انھیں اِس جگہ سے نہ ہلا سکا۔ انھوں نے کہا تھا: "کانگرس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں،" اور عملی طور پر اپنی بات درست کر دکھائی۔ کانگرسی نیتاؤں کی متواتر کوشش اور قوم پرست مسلمانوں کی لگاتار جدوجہد کے باوجود انھوں نے ۹۵٪ ووٹ حاصل کر لیئے۔ انھوں نے کہا: "ہندوستان اور برطانیہ کو دو قومی نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا۔" اور آخر کار دونوں نے عملی طور پر اس کو تسلیم کر لیا۔ انھوں نے کہا: "پاکستان بن کے رہے گا۔" اور آخر کار وہ دن آیا جب وہ بات جسے ہم انتہائی لغو قرار دیتے تھے حقیقت بن کے ہمارے سامنے آگئی۔

یہ سب کچھ اچھا تھا یا بُرا۔ اس سے قطع نظر اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسٹر جناح ایک زبردست قوتِ ارادی کے مالک تھے۔

## تاریخ ساز

روزنامہ "ہندوستان ٹائمز"

محمد علی جناح نے پاکستان حاصل کرکے اچھا کیا یا بُرا کیا، اِس سے قطع نظر اتنا تو ضرور ماننا پڑے گا کہ اُن کے عزم بالجزم کے سامنے حقائق مٹ گئے اور خواب و خیال حقیقت کی شکل اختیار کرکے دنیا کے سامنے آگئے۔ انھوں نے اپنے زمانے کی عظیم ترین شخصیت کو للکارا اور بازی جیتی۔ اُن کے سیاسی مخالفین بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسٹر جناح اپنے ارادے کے پکّے اور پُرخلوص نیت کے مالک تھے۔ ممکن ہے تاریخ اُن کی فرقہ پرستی کی بنا پر انھیں نشانۂ تنقید بنائے لیکن تاریخ انھیں فراموش نہیں کر سکتی کیونکہ وہ تاریخ ساز تھے۔ اِن کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اُن کی اِس خوبی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اپنے سینے میں قلبِ سلیم رکھتے تھے۔ انھوں نے دشمن کے مقابلے میں کبھی کوئی اوچھا ہتھیار استعمال نہیں کیا۔

## جمہوری حق کا استعمال

چوھدری محمد علی

مشرقی بنگال کی نئی صوبائی حکومت ڈھاکے میں قائم ہونے والی تھی۔ حسین شہید سہروردی تقسیم کے وقت بنگال کے وزیرِ اعلیٰ تھے۔ اب اُن کی جگہ ناظم الدین نے لی۔ کلکتہ جو سہروردی صاحب کا قلعہ تھا بھارت کو ملا۔ خواجہ ناظم الدین ڈھاکے سے تعلق رکھتے تھے اور مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کے ارکان سہروردی صاحب کے مقابلے میں زیادہ تر اُن کے ساتھ تھے۔ سہروردی صاحب نے قائدِ اعظم کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں میں سے ایک کو مرکزی کابینہ میں لے لیا جائے اور دوسرے کو مشرقی بنگال کا بلامقابلہ وزیرِ اعلیٰ بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ مگر قائدِ اعظم نے فیصلہ کیا کہ اسمبلی کے ارکان اپنا حق استعمال کریں گے اور رائے شماری کے ذریعے وزیرِ اعلیٰ کا انتخاب عمل میں لائیں گے۔ چنانچہ رائے شماری ہوئی اور خواجہ ناظم الدین مشرقی بنگال کے وزیرِ اعلیٰ منتخب کر لیے گئے۔

## صاف و شفّاف شخصیّت

چیف جسٹس لارڈ پیٹرک سپنس

ایسا کوئی مرد یا عورت اِس دنیا میں نہیں جو اُن کی دیانتداری کے خلاف انگشت نمائی کر سکے۔ میرے واقف کار لوگوں میں وہ سب سے زیادہ راست باز تھے اور جہاں تک مجھے علم ہے انھوں نے ساری زندگی، ایک لمحے کے لیے بھی کسی کو فریب دینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کسی کو دھوکے میں نہیں رکھتے تھے کہ اُن کا موقف کیا ہے، وہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کیا ذرائع استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

## مردِ مومن

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

قائداعظم کے کردار کا نمایاں ترین نقش یہ تھا کہ وہ نہایت دیانتدار تھے اور انھوں نے کبھی ایسی بات نہ کہی جس پر انھیں خود اعتبار نہیں تھا۔ انھوں نے بڑے سے بڑے لالچ کو ٹھکرا دیا لیکن اپنے مسلک سے نہ ہٹے۔ وہ اپنی قوم سے بھی دیانتدار تھے اور دشمن سے بھی۔ ہندوؤں کے رہنما مہاتما گاندھی نے روحانیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن عمل میں ریاکاری کی تصویر تھے اور عوام کا مَن موہنے کے لیے کئی قسم کے کرتب کھیلتے تھے۔ پہنتے لنگوٹی تھے، رہتے آشرم میں تھے لیکن ایسی غذا کھاتے تھے جس کا تصور لنگوٹی پہننے والے غریب عوام خواب میں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر وہ مَرَن برت رکھتے تھے، اندر کی آواز کا انتظار کرتے تھے۔ قائداعظم ایسی کسی لغویت کے قائل نہیں تھے۔ وہاں جو آواز آتی تھی اندر ہی سے آتی تھی آوازیں کبھی مختلف نہیں ہوتی تھیں کیونکہ قائداعظم کا اندر باہر یکساں تھا۔

## چھوٹی ابتداء، عظیم انتہا

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

قائداعظم کے کردار کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ چھوٹے پیمانے پر کسی کام کی ابتدا کرنے سے نہیں شرماتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر کی ساری کائنات ایک ٹائپ رائٹر اور ایک سٹینوگرافر پر مشتمل تھی۔ قائداعظم لاہور آتے تھے تو اسٹیشن پر چار پانچ افراد سے زیادہ استقبال

کے لیے موجود نہیں ہوتے تھے۔ اتنی بڑی تنظیم کے جلسے بند کمروں میں ہوتے تھے یا بہت ترقی ہوئی تو کسی ہال میں اجتماع ہو گیا بڑے بڑے لوگ ان سے دور رہا کرتے تھے کیونکہ وہ اپنے غیر ملکی اور دیسی حاکموں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے قوم غریب تھی۔ اِس لیے اس کے مشاغل بھی غریبانہ تھے لاہور کے تمام ہندو اخبارات میں خبروں کی وصولی کے لیے ٹیلی پرنٹر لگے ہوئے تھے مسلمان اخبار اِس نعمت سے محروم تھے۔ جب ایک مسلمان اخبار نے اپنے دفتر میں ٹیلی پرنٹر نصب کیا تو قائد اعظم کو اس کی افتتاحی رسم ادا کرنے کے لیے بلایا۔ انھوں نے اس میں اپنی کوئی ہیٹی نہ سمجھی۔ اور افتتاحی رسم ادا کی۔ انھوں نے تھوڑے افراد کو دیکھ کر کبھی حوصلہ نہ ہارا۔ نہ امیروں، وزیروں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے اپنے اصول سے ہٹے۔ وہ استقلال سے اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے اور آخر وہ وقت آگیا جب ہر شہر میں لاکھوں انسانوں نے اُن کی پذیرائی اس جوش و خروش اور اس تزک و احتشام سے کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ وہ بڑے لوگ اُن کے قدموں میں تھے جو پہلے اُن سے کنّی کتراتے تھے اور وہ وزرائے اعظم اُن کے ارد گرد منڈلانے لگے جو پہلے اُن سے دُور رہنے میں ہی عافیت جانتے تھے۔ اس میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے کہ تھوڑی تعداد دیکھ کر یا محدود وسائل پا کر یا چھوٹی ابتدا ایسے عناصر نہیں جن سے ہم حوصلہ ہار بیٹھیں۔

## آئینی جد و جہد

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

قائد اعظم کے کردار کا ایک پہلو یہ تھا کہ انھوں نے آئین و قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی جد و جہد کی۔ گاندھی جی تمام عمر قانون شکنی کی تحریکیں چلاتے رہے ہزار ہا لوگ جیلوں میں گئے، اُن کے کتنے اگلے صعوبتیں جھیلتے رہے یہ تحریکیں زیادہ تر ناکام رہیں اور اِن سے ہندو عوام میں احساس شکست پیدا ہوتا رہا۔ قائد اعظم جانتے تھے کہ ہندو قوم امیر ہے وہ ایسے صدمے برداشت کر سکتی ہے لیکن مسلمان قوم غریب ہے۔ اگر اُسے پے در پے آزمائش کی بھٹی میں ڈالا گیا تو اُس کی معاشی حالت اور پست ہو جائے گی۔ دوسرے ہندو عدم تشدد یا اہنسا کے عقیدے کو اپنا سکتے ہیں مسلمان اِس منافقت کے قائل نہیں۔ اُن پر اجنبی راج کی پولیس لاٹھی برسائے گی تو وہ اینٹ کا جواب پتھر

سے دیں گے۔ اور ایک غیر مسلح قوم کب تک برطانوی سامراج کی پولیس اور فوج کی طاقت کا مقابلہ کر سکے گی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ قانون شکنی کی تحریکیں شدید نظم و ضبط کے بغیر نہیں چل سکتیں اور مسلمان ابھی اچھی طرح منظم نہیں ہوئے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر قائداعظم نے تحریک پاکستان کو آئین و قانون کی حدود کے اندر رکھا اور صرف اُس وقت باہر لائے جب لوہا گرم تھا بس ایک چوٹ کی کسر تھی۔

## صائب فکر

ایم اے ایچ اصفہانی

قائدِاعظم ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیتے تھے اور ہر مسئلے کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے اُن کے ذہن میں اُن کا مقصد اور وہ راستہ جو انھیں اپنی منزلِ مقصود کے حصول کے لیے اختیار کرنا ہوتا ہمیشہ واضح رہتا تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ جس راہ پر وہ گامزن تھے وہ کٹھن اور ناہموار تھی اور اُس میں جگہ جگہ ایسی دشواریاں اور رکاوٹیں موجود تھیں جن پر قابو پانا آسان نہ تھا لیکن وہ بے باک، مطمئن اور باعزم رہے۔ انھوں نے جذبات کو کبھی اپنے فکر اور فیصلے میں دخل اندازی کی اجازت نہ دی۔

## قائدِاعظم کا مطمحِ نظر

وہ اِس مقولے کو کہ ”سیکھنے کے لیے جاؤ اور خدمت کرنے کے لیے باہر نکلو“ جو اُن کے مدرسہ کے پھاٹک پر کندہ تھا ہر روز پڑھتے۔ یہی مقولہ اُن کا مطمح نظر بن گیا۔ وہ ایک اچھے طالب علم تھے اور بڑے ہو کر انھوں نے اپنے ہموطنوں کی خدمت کی۔ وہ اپنے مدرسہ کے پھاٹک پر کندہ کئے ہوئے اِس نصب العین کی مجسّم تصویر بن گئے۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ اُن کا انجام نزدیک ہے تو انھوں نے اپنا وصیت نامہ لکھا جس میں اپنی جائیداد کا ایک تہائی سندھ مدرسہ کے لیے وقف کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ طلبا اُس میں سیکھنے کے لیے داخل ہوں اور خدمت کرنے کے لیے وہاں سے باہر نکلیں۔

# قائد اعظم کو قریب سے دیکھنے کا شوق

نورُ الصباح بیگم

ایک روز شام کا وقت تھا میں اور میری لڑکیاں کناٹ پلیس میں کچھ خریداری کر رہے تھے۔ لمبے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے میری بڑی لڑکی ہم میں سے غائب ہو گئی۔ میں نے دوسری لڑکیوں سے دریافت کیا۔

"کوکب کہاں چلی گئی؟"

انھوں نے کہا کہ وہ تو اِس جوتوں کی دکان میں گھس گئیں۔ میں نے کہا:

"ٹھہرو، میں بلالوں"۔

جوتوں کی دکان کے اندر جا کر میں نے عجب نظارہ دیکھا۔ قائد اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح بیٹھے جوتے دیکھ رہے تھے اور کوکب ایک طرف کھڑی ان کو غور سے دیکھے جا رہی تھی۔ بات یہ تھی کہ ہم تو باتوں میں لگے رہے۔ مگر کوکب نے اُن کو دکان کے اندر جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ کیونکہ رلم پور رہتی تھیں۔ ان کی تمنا تھی کہ میں قریب سے ایک بار قائد اعظم کو دیکھ لوں۔ اِس لیے یہ قدرتی موقع ملا تو وہ پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ میں سمجھ گئی۔

میں نے سلام کر کے کوکب کا دونوں سے تعارف کرایا کیونکہ اب تک میں تو بہت دفعہ مل چکی تھی اور کافی بے تکلفی سے بات بھی کر لیتی تھی۔ میں نے محترمہ فاطمہ جناح سے یہ بھی کہا کہ یہ لڑکی ہم کو چھوڑ کر محض قائد اعظم کو قریب سے دیکھنے کی خاطر اندر چلی آئی ہے۔

"صرف قریب سے دیکھنے کے اشتیاق میں"۔

قائد اعظم نے کوکب سے چند باتیں کیں اور محترمہ نے فرمایا:۔

"تم اپنی والدہ کے ہمراہ ہمارے گھر آنا"۔

# ہر درد کی دوا ہے محمد علی جناح

(ا) مسعود قریشی
(ب) ھیکٹر بولائتھو

## ا۔ عوامی رپورٹ

ستمبر کے پہلے ہفتے میں، ایک روز جیکب لائن کالونی میں، ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب پھیل گیا۔ معلوم ہوا

کچھ لوگ آج ہی دہلی سے آئے ہیں اور وہاں کے وحشیانہ مظالم کے قصے بیان کر رہے ہیں پہلے تو میرے جی میں آئی کہ بیٹھے بھی رہو یہیں اپنے خیمے میں۔ بے بسی کے عالم میں یہ قصے سن کر جی کو جلانے سے کیا حاصل! لیکن قلبی اضطراب نے بیٹھنے نہ دیا۔ باہر آکر دیکھا تو مجمع کافی ہو چکا تھا جوش اور رقت سے کہرام مچا ہوا تھا۔ چند جوشیلی باتوں اور غصیلے نعروں کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ داد خواہی کے لیے ارباب حل و عقد کے پاس چلیں اور کچھ نہیں تو بپتا سنا کر جی ہلکا ہی کر لیں گے اور مجمع بے سر کے اژدھے کی طرح پھنکارتا چیختا چلاتا ایک طرف کو چل پڑا۔ نہ کسی کو یہ سوچنے کی فرصت تھی کہ کہیں جانے سے کیا فائدہ ہوگا نہ کسی نے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی کہ ہم کس کے پاس جا رہے ہیں۔ راستے میں یہ طے کر لیا گیا تھا کہ "قائد اعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد" کے علاوہ اور کوئی نعرہ نہ لگایا جائے۔ اور جب رکے تو معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہاؤس کے کمپاؤنڈ میں ہیں۔

میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں کس قدر اعتماد تھا لوگوں کو اپنے قائد پر! یہ مصرع کہ:- ہر درد کی دوا ہے محمد علی جناح" بھونڈا سہی کس قدر صحیح تھا!! اُس وقت کوئی ایک ہزار کے قریب آدمی ہوں گے۔ اِن میں سے ہر ایک بہن بھائی، ماں باپ یا اولاد کی موت کا زخم کھائے ہوا تھا۔ چہرے اور آنکھوں سے دلی کرب چھلکا پڑتا تھا ہر نظر ہزار زخموں کی کہانی کہہ رہی تھی اور یہ سب بغیر سوچے سمجھے مسیحا کے پاس اپنے درد کی دوا لینے آ پہنچے تھے۔ ساری مسلمان فوج ہندوستان سے باہر دور دراز مقامات پر پڑی تھی۔ مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں لٹتے پٹتے کٹتے پاکستان کی طرف چلے آ رہے تھے۔ انتظامی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی سب ادارے مفلوج ہو چکے تھے۔ لیکن صرف ایک شخص کی موجودگی کا یہ طلسم تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی کسی کے دل میں یہ گمان تک نہیں گزرا کہ پاکستان ڈگمگا سکتا ہے۔ ایک غیر مملکت میں جس پر قائد اعظم کا کوئی اختیار نہیں تھا وسیع پیمانے پر یہ مظالم مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے لیکن ان لوگوں کو یقین تھا کہ ہمارے قائد کے پاس ان کا تدارک موجود ہے۔ کن کن مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا اِس بوڑھے کو یہ درجہ مسیحائی حاصل کرنے کے لیے۔

مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ سب نے لان میں جماعت سے نماز پڑھی اور سلام پھیر کر رقت بھرے لہجے میں بلند آواز سے قائدِ اعظم، پاکستان اور مسلمانوں کی سلامتی کی دعا مانگی۔ جناب لیاقت علی خاں، جو اس وقت قائدِ اعظم کے پاس آئے ہوئے تھے باہر تشریف لائے لیکن مجمع اپنے دکھ کا دارو کسی لیڈر یا صدر حکومت کے پاس ڈھونڈنے نہیں آیا تھا۔ اُس کے خیال میں دنیا کی کوئی حکومت بھی مصیبت زدوں کے درد کا درماں نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو صرف اپنے قائد سے اپنا دکھ درد کہنے آئے تھے۔ اِس طرح جیسے ایک بچہ مصیبت کی گھڑی میں ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مجمع کو یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ شفیق ہستی اُس مشکل پر قابو پانے کی قدرت رکھتی بھی ہے کہ نہیں، جس سے ہم دوچار ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ قائدِ اعظم کو اُن کا سب حال معلوم ہے۔ لیکن غم کی داستان بیان کرنے سے بھی تو دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ یہ تو ایک اتفاق تھا کہ وہ اُس وقت گورنر جنرل ہاؤس میں بحیثیت گورنر جنرل پاکستان قیام فرما تھے۔ اگر وہ کسی کٹیا میں ہوتے تو مجمع اُس وقت اُدھر ہی کا رُخ کرتا۔

لیاقت علی خاں صاحب تشریف لے گئے اور پانچ سات منٹ بعد حضرت قائدِ اعظم بالکونی پر تشریف لائے ان کے ساتھ وہ معصوم فرشتہ فاطمہ بھی تھیں۔ قائدِ اعظم کو دیکھ کر رنج وغم اُبل پڑا۔ وہ جنھوں نے موت سے کھیل کر پاکستان بنایا تھا، جو بربریت کا آہنی پنجہ مروڑ کر یہاں تک پہنچے تھے۔ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ فضا قائدِ اعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھی اور اُن کی معصوم صداقت پر آنسو اور ہچکیاں مہریں ثبت کرتی رہیں۔

قائدِ اعظم نے اپنی مخصوص گرج دار آواز میں فرمایا: "بھائیو! میں جانتا ہوں تم یہاں کیوں آئے ہو، میں تمھارے لیے ہر ممکن بات کر رہا ہوں اب اپنے اپنے گھر کو چلے جاؤ۔"

میں نے بڑھ کر عرض کی: "قائدِ اعظم! اگر آپ پانچ منٹ یہاں تشریف لاکر اِن کو تسلی دے دیں تو اِن کے زخموں کی جلن کم ہوجائے گی کیونکہ یہ اپنے مسیحا کے پاس مرہم کے لیے

آئے ہیں۔"

قائداعظم نے پہلے سے ذرا دھیمی آواز اور جذباتی لہجے میں کہا: "بھائی! بات ایک آدمی سے ہوتی ہے، ہزاروں آدمیوں سے نہیں ہوتی۔ تم لوگ کل ڈھائی بجے پانچ آدمیوں کا ایک ڈیپوٹیشن بھیج دیو۔"

لوگ قائداعظم زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے واپس چلے۔ اُن کے صرف تین فقروں سے ہزاروں دلوں کا طوفان تھم گیا۔

## ب۔ سرکاری رپورٹ

۲ستمبر کو شیخ کویت کے اعزاز میں قائداعظم نے ایک دعوت دی جس میں صرف پچاس چوٹی کے اکابر مدعو تھے۔ دعوت بڑے خوشگوار ماحول میں ایک تیرنے کے حوض کے کنارے ہو رہی تھی۔ اسی اثنا میں باہر پھاٹک پر ایک مشتعل ہجوم نے مظاہرہ کیا۔ کرنل برنی دعوت میں سے اٹھ کر باہر گئے تو دیکھا کہ مرکزی سیکرٹریٹ کے تین سو اہل کار جمع ہیں اور قائداعظم سے ملاقات کا مطالبہ کر رہے ہیں

کرنل اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"میں نے مظاہرین سے درخواست کی کہ وہ اپنے دو ایک رہنما منتخب کر لیں جو آکر اُن کا مدعا بیان کریں۔ مگر میں نے یہ جلد ہی اندازہ کر لیا کہ اِس ہجوم کا کوئی رہنما نہ تھا۔ وہ سب مشرقی پنجاب میں اپنے اعزہ کے قتلِ عام کی افواہیں سن کر گورنمنٹ ہاؤس پر چڑھ آئے تھے اُن کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ اور میں نے پہلے ہی پولیس کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ انتہائی صبر اور تحمل سے کام لیں۔"

مظاہرین اِس بات پر مصر تھے کہ جب تک قائداعظم خود آکر اُن سے بات نہ کر لیں وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے۔۔۔۔۔۔ آخر کار قائداعظم اٹھ کر بالائی منزل کے برآمدے پر آئے اور ہجوم سے مختصراً خطاب کیا۔ انھوں نے مظاہرین کو بتایا کہ اُن کے اعزہ کو بچا کر نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ پھر انھوں نے ہجوم کو نظم و ضبط کی تلقین کی اور کہا

کہ وہ فوراً گورنمنٹ ہاؤس کے میدان کے باہر چلے جائیں۔

اس پر ہجوم نے قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگائے اور مزید شور و شغب کیے بغیر باہر چلے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ جناح کا اپنی قوم پر زبردست اثر ہے۔ اُن کے بعد کوئی پاکستانی رہنما شاید یہ مقام حاصل نہ کر سکے گا۔"

## بلیئرڈ اور سیاست کا کھیل

محمد حنیف آزاد

اندرونِ خانہ کھیلوں میں قائداعظم کو صرف بلیئرڈ سے دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی جب اُن کو اس کھیل سے شغل فرمانے کی خواہش ہوتی تو وہ بلیئرڈ روم کھلوانے کا حکم دیتے۔ صفائی یوں تو ہر کمرے میں ہر روز ہوتی تھی مگر جب وہ کسی خاص کمرے میں جانے کا ارادہ کرتے تو ملازمین اُن کے داخل ہونے سے پہلے اپنا اچھی طرح اطمینان کر لیتے کہ ہر چیز صاف ستھری اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلیئرڈ روم میں مجھے جانے کی اجازت تھی۔ اس لیے کہ مجھے بھی اس کھیل سے تھوڑا بہت شغف تھا۔ بارہ گیندیں اُن کی خدمت میں پیش کر دی جاتیں، اُن میں سے وہ انتخاب کرتے اور کھیل شروع ہو جاتا۔ محترمہ فاطمہ جناح پاس ہوتیں۔ صاحب سگار سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیتے اور اس گیند کی پوزیشن کو اچھی طرح جانچتے جس کے ٹھوکر لگانا ہوتی تھی۔ اس جانچ پڑتال میں وہ کئی منٹ صرف کرتے۔ کبھی ایک زاویے سے دیکھتے کبھی دوسرے زاویے سے۔ ہاتھ میں کیو کو تولتے۔ اپنی پتلی پتلی انگلیوں پر اُسے سارنگی کے گز کی طرح پھیرتے۔ زیر لب کچھ کہتے، نشست باندھتے مگر کوئی دوسرا مناسب و موزوں زاویہ اُن کے ذہن میں آجاتا اور وہ اپنی ضرب روک لیتے۔ ہر طرف سے اپنا پورا اطمینان کرنے کے بعد جب کیو گیند کے ساتھ ٹکراتے اور نتیجہ اُن کے حساب کے مطابق ٹھیک نکلتا تو اپنی بہن کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھ کر مسکرا دیتے۔"

سیاست کے کھیل میں قائداعظم اسی طرح محتاط تھے۔ وہ ایک دم کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ ہر مسئلے کو وہ بلیئرڈ کے میز پر پڑی ہوئی گیند کی طرح ہر زاویے سے بغور سوچتے تھے، اور صرف اسی وقت اپنے کیو کو حرکت میں لاکر ضرب لگاتے تھے۔ جب اُن کو اس کے کارگر ہونے کا

پورا وثوق ہوتا تھا۔ وار کرنے سے پہلے شکار کو اپنی نگاہوں میں اچھی طرح تول لیتے تھے۔ اس کی نشست کے تمام پہلوؤں پر غور کر لیتے تھے۔ پھر اس جسامت کے مطابق ہتھیار منتخب کرتے تھے۔ وہ ایسے نشانچی نہیں تھے کہ پستول اٹھایا اور داغ دیا، اس یقین کے ساتھ کہ نشانہ خطا نہیں جائے گا۔ نشانچی کی ہر ممکن خطا نشست باندھنے سے پہلے اُن کے پیش نظر رہتی تھی۔

## لوگوں نے مجھے بدنام کر رکھا ہے — بابائے اُردو مولوی عبدالحق

انجمن نے حکومتِ ہند سے نئی دہلی میں اپنی عمارت کے لیے ایک قطعۂ اراضی خریدا تھا۔ اس کے لیے میں جگہ جگہ چندہ جمع کر رہا تھا۔ جنگ کی وجہ سے عمارت کا تخمینہ کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ توقع تھی کہ حکومت نظام سے ہمیں اس کے لیے بہت اچھا عطیہ ملے گا۔ چنانچہ اس غرض سے ایک عرضداشت مرتب کی گئی جو سر تیج بہادر سپرو صدرِ انجمن کی طرف سے پیش کی جانے والی تھی۔ اِس ضمن میں قائد اعظم سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ کرنل (ڈاکٹر) عبدالرحمٰن بھی اُن سے ملنے والے تھے انھوں نے ملاقات کا وقت دریافت کیا اور میرا نام بھی لیا اور کہا وہ بھی آنا چاہتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کل آیئے اور لنچ میرے ساتھ کھایئے۔ دوسرے دِن ہم گئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس اثنا میں میں نے عرض کیا کہ انجمن کو عمارت کے لیے کافی رقم کی ضرورت ہے۔ عطیے کی سب سے بڑی رقم کی اُمید ہمیں سرکار عالی حیدر آباد دکن سے ہے۔ عرضداشت سر تیج بہادر سپرو کی طرف سے پیش کی جائے گی۔ اگر آپ ایک خط اعلیٰحضرت حضور نظام کے نام عنایت فرمائیں تو منظوری میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔ فرمایا کہ "میں خط لکھنا پسند نہیں کرتا۔ لوگوں نے پہلے ہی مجھے بدنام کر رکھا ہے کہ حضور نظام مجھے چھ لاکھ روپیہ سالانہ دیتے ہیں۔ آپ نے بھی اخباروں میں پڑھا ہوگا۔" کہنے لگے خط تو میں نہیں لکھوں گا، لیکن عنقریب دکن جانے والا ہوں اس وقت میں بالمشافہ اعلیٰحضرت سے فیاضانہ امداد کے لیے کہوں گا"...... آخر خدا خدا کر کے وہ دِن آیا کہ قائد اعظم نے حیدر آباد روانگی کی تاریخ مقرر کی۔ جب مجھے تاریخ کا علم ہوا تو میں کئی روز پہلے حیدر آباد جا پہنچا۔

دوسرے دِن قائد اعظم اعلیٰحضرت کی ملاقات کو گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو میں ملنے

گیا، ملاقات کا حال سنایا تو مجھے نہایت افسوس ہوا اور جو بڑی بڑی امیدیں میں وہاں لے کر گیا تھا وہ سب خاک میں مل گئیں۔

## صاف ستھرا کھیل

ھیکٹر بولائیتھو

جب جناح ۱۴ برس کے تھے تو ایک صبح انھوں نے نانجی جعفر سے، جو اُس وقت گلی میں گولیاں کھیل رہا تھا، کہا: "خاک دھول میں اپنے ہاتھ کیوں سانتے ہو؟ تمھارے کپڑے گندے اور ہاتھ میلے ہوتے ہیں۔ ہمیں کھڑے ہو کر کرکٹ کھیلنا چاہیے۔"

نیونہم روڈ کے دوسرے لڑکوں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ انھوں نے گولیاں کھیلنا چھوڑ دیا، اور جناح کی رہنمائی میں گندی گلی سے نکل کر کھلے میدان میں جا پہنچے جہاں جناح نے اپنا کرکٹ کا بلا اور وکٹ اُن کو لاکر دیئے۔ دو سال بعد جب وہ انگلستان روانہ ہونے لگے تو انھوں نے اپنا بلا نانجی جعفر کو دے دیا اور کہا: "میری غیر موجودگی میں تم لڑکوں کو کرکٹ کھیلنا سکھاتے رہنا۔"

محمد علی جناح کے کردار کی عظمت اور اُن کی کامیابی کا سارا راز لڑکپن کے اِن لفظوں میں مضمر ہے کہ زمین پر نہ بیٹھو تاکہ تمھارے کپڑے گندے نہ ہوں اور زندگی کی کشمکش میں تمھارا دامن صاف رہے۔

## جناح صاحب کی فیس

دیوان چمن لال

ایک دفعہ جناح کے پاس ایک مؤکل آیا اور قانونی مشورہ چاہا۔ اُس کے مقدمہ کی مِسل بہت لمبی چوڑی تھی اور جناح صاحب کی فیس بہت زیادہ۔ اُس شخص نے کہا کہ اُس کے پاس صرف دس ہزار روپے ہیں۔ جناح صاحب نے مقدمہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر اُس شخص کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ جناح صاحب اُس وقت مِسل کا معائنہ چھوڑ دیں جب دس ہزار روپے کی فیس ختم ہو جائے۔ (یہ انتظام کچھ ایسا تھا کہ ایک گھنٹہ کی اتنی فیس)۔ اور جہاں تک آپ دس ہزار روپے میں پڑھ لیں وہاں تک ہی اپنی رائے دے دیں۔ جب ساری مِسل کا معائنہ کر چکے اور حساب کیا گیا تو فیس صرف ۳۵۰۰ روپے بنی اور باقی رقم مؤکل کو واپس کر دی گئی۔

## بہن بھائی
فقیر محمد

اگرچہ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی لیکن بائی جی جو گھر کے تمام معاملات کی منتظمہ تھیں، ایک ایک پائی بڑی احتیاط سے خرچ کرتی تھیں۔ وہی صاحب کے لیے ہر چیز، کپڑے، سگار وغیرہ خریدتی تھیں اور صاحب کی ضرورت کی ہر چیز کا حکم انھیں سے ملتا۔ کپڑا بیچنے والوں اور دیگر تاجروں کو گھر پر ہی بلایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر اور درزی بھی ضرورت کے موقع پر گھر ہی آتے تھے۔ مسٹر جناح خود کبھی باہر نہیں جاتے تھے۔ اُن کی کوئی سوسائٹی نہیں تھی۔ میں نے سنا تھا کہ بمبئی میں اُن کے کچھ رشتہ دار رہتے ہیں۔ ایک بہنوئی تھے جو مِل میں ملازم تھے اور ایک چھوٹے بھائی پُونے میں مقیم تھے۔ خادمِ خانہ نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ اُس نے صاحب کو نماز پڑھتے ہوئے حالتِ رکوع میں دیکھا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کچھ مولویوں کو چائے پر بلایا گیا۔ بعد میں بائی جی نے ایک مولوی کے بارے میں ایک لطیفہ سنایا۔ مولوی جی نے کہا تھا کہ "مجھے چائے کے لیے ایک بڑا سا پیالہ چاہیے۔ اِن چھوٹی چھوٹی انگریزی پیالیوں میں مَیں چائے نہیں پی سکتا"۔ صاحب یہ لطیفہ سن کر مسکرا دیئے۔

## آپ کو کس نام سے پکارا جائے
ہیکٹر بولائتھو

ایک مرتبہ گاندھی جی نے آپ سے پوچھا کہ "آپ کو کس نام سے خطاب کیا جائے؟" قائدِ اعظم نے جواب دیا: "میرے نام کے سلسلے میں میری ذاتی پسند کا آپ کو جو لحاظ ہے اُس کے لیے آپ کا ممنون ہوں، لیکن نام میں کیا دھرا ہے۔ گلاب کو آپ کسی نام سے پکاریں اُس کی خوشبو میں فرق نہیں آئے گا"۔

## اقبالِ جرم

لندن میں ایک اخباری نمائندے نے اعتراضاً آپ سے کہا:-

"آپ بھی تو کبھی کانگرس میں رہ چکے ہیں"۔

قائداعظم نے فوراً جواب دیا۔

ہاں ـــــ جب میں بچّہ تھا تو ابتدائی مدرسہ میں بھی تو پڑھا کرتا تھا۔"

## ارے بدھو، پھر تم خلاف کس چیز کے ہو

شاہ عبدالرحمٰن

غیر منقسم برّعظیم میں قائداعظم پاکستان کے پروپیگنڈے کے لیے جو تقریریں کرتے تھے، اُن میں ایک تقریر جامع مسجد دہلی کے سامنے والے وسیع میدان میں کی۔ حاضری تقریباً ایک لاکھ سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ جب قائداعظم تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو ہر طرف ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ پوری فضا قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ ہجوم کا اصرار تھا کہ تقریر اُردو میں ہو۔ ہمارے قائداعظم نے اس عوامی مطالبے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

"پنڈت نہرو کہتا ہیں کی کی (کہ) میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کی یہ پاکستان کیا چیز ہے۔ ہر وقت پاکستان۔ پاکستان! میں پوچھا، پوچھتا، پوچھ چاہتا ہوں۔ ارے پنڈت جی۔ تم سمجھ نہیں کی پاکستان کیا چیز ہے۔ ارے بدھو! پھر تم خلاف کس چیز کے ۔۔۔۔ ہو۔ پھر خلاف ۔۔۔۔۔۔ چھوڑ دو۔ جب پاکستان بن جائے گا سمجھ آئے گی۔۔۔۔ میں عجیب میں ہوں۔ کی ہمارا بھائی مسلمان بھی کہتا ہے کی مسلم لیگ تم کی جماعت نہیں۔ یعنی یعنی (کسی نے تخت پر بیٹھے ہوئے، غالباً لیاقت خاں مرحوم نے لقمہ دیا "عوام") عوام کی جماعت نہیں۔ البتہ مہاراجوں اور نوابوں کی جماعت ہے۔ تم مجھ کو کہو۔ بتاؤ۔ کیا تم سب جو اِدھر جمع ہوئے ہو، سب کے سب عوام نہیں؟ تم میں کتنے مہاراجے محمود آباد ہیں۔ کتنے نواب زادے لیاقت علی خاں ہیں؟"

اچانک نعرے بلند ہوئے "مسلم لیگ زندہ باد" "قائداعظم زندہ باد" "پاکستان زندہ باد"۔

## باون تولے، پاؤ رتی، کھری اور اصلی بات

خواجہ حسن نظامی

ایسے دُبلے پتلے جیسے شوکت علی صاحب کی انگریز بیوی کی نازک انگلیاں۔ گورا گورا رنگ۔ میانہ قد۔ عمر پختہ۔ ارادہ پختہ۔ رائے پختہ۔ کم بولتے ہیں مگر باون تولے پاؤ رتی کی کھری اور اصلی بات کہتے

ہیں۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ مسلمان قوم میں سب سے زیادہ ہے۔ مزاج بہت سنجیدہ ہے۔ عقل بہت برگزیدہ ہے۔ عوام کے ذہن میں کشتی چلانا جانتے ہیں۔ اس لیے قومی ناخدا بھی ان کو کہا جا سکتا ہے مگر انگریزی معاشرت رکھتے ہیں۔ اس لیے ناخدا نہیں قومی جہاز کے کپتان ہیں مسلمان قوم میں۔ جو سیاسی تفریق ہے وہ جب ہی دور ہو گی کہ ساری مسلم قوم انہیں اپنا لیڈر تسلیم کرے۔

## نماز کے لیے چھٹی

فقیر محمد

ایک دفعہ جمعہ کے دن میں نے مس فاطمہ جناح سے کہا کہ "مجھے جمعہ کی نماز کے لیے چھٹی چاہیے"۔ وہ مان گئیں اسی وقت بے بی (قائداعظم کی بیٹی) اندر سے آئیں اور جس طرح کہ اُن کی عمر کا کوئی بھی بچہ کرتا، انھوں نے اصرار کیا کہ انھیں ہارن بائی روڈ پر کچھ سہیلیوں سے ملنے کے لیے کار لے جانے کی اجازت دی جائے۔ اگرچہ میں بے بی کے لیے اپنے پروگرام میں ایک آدھ گھنٹہ کی ترمیم کرنے کے لیے تیار تھا لیکن بائی جی نے بے بی کو سختی سے کہا: "نہیں، فقیر محمد جمعہ کی نماز پڑھنے جا رہا ہے۔ تم کار پر نہیں جا سکتیں۔ کسی سے کہو، تمھارے لیے ٹیکسی لے آئے"۔

## دنیا کی مشکل ترین عدالت میں اعلیٰ پریکٹس

(چیف جسٹس لارڈ پیٹرک سپنس)

جب وہ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں انگلستان آیا تو اُس نے ہیمسٹڈ ہیتھ میں ایک مکان لیا۔ کنگ بینچ واک میں دفتر قائم کیا اور کام شروع کر دیا۔ اور پریوی کونسل کے سامنے کافی مقدموں کی پیروی کی۔ بے شک انھیں بمبئی کے پرانے موکلوں سے مقدمات ملنے میں مدد ملتی رہتی تھی۔ لیکن انھوں نے مشکل ترین عدالت کے سامنے اپنا نام پیدا کیا۔ امریکہ سپریم کورٹ کی میں عزت کرتا ہوں لیکن یہ کہنے سے گریز نہیں کرتا کہ پریوی کونسل دنیا کی مشکل ترین عدالت ہے۔ یہ عدالت بہت دوستانہ ماحول میں کام کرتی ہے لیکن اس کا انداز انتہائی ناقدانہ ہے اور کوئی شخص جس کا دماغ غیر معمولی حد تک اعلیٰ نہ ہو اور جس میں وکالت کے اعلیٰ ترین خواص نہ ہوں اور سب سے بڑھ کر جس میں زیرکی اور نرم مزاجی نہ ہو اتنے کم عرصے میں اتنی اعلیٰ پریکٹس حاصل نہیں کر سکتا، جتنی کہ محمد علی جناح نے پریوی کونسل میں حاصل کی۔

## پاکستان کا خالق ۱۷۔ آئی آر ـــ جریدہ قانون

گو مسٹر جناح کی زندگی پر سیاسی رہنما کی حیثیت اور ہندوستان کے مسلمانوں کی جدوجہد میں اُن کا نمائندہ ہونے کا پہلو زندگی کے دوسروں پہلوؤں پر چھائے رہے ہیں لیکن ایک قانونی جریدہ اس بات کو پیش نظر رکھتا ہے کہ وہ غیر معمولی شہرت کے وکیل تھے اور اُن کی موت سے ملک ایک بلند پایہ وکیل سے محروم ہو گیا۔ ایک روشن دماغ وکیل کی حیثیت سے چند ہی ان کا مقابلہ کر سکتے تھے اور دوست دشمن ان کی اس صفت کی بنا پر خاص طور پر عزت کرتے تھے کہ وہ کسی قیمت پر خریدے نہیں جا سکتے تھے۔ تاریخ میں آپ کا نام دو قومی نظریے کے علمبردار اور پاکستان کے خالق کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

## حفاظتی انتظامات کی چنداں ضرورت نہیں۔ نواب صدیق علی خان

دہلی کے آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر سے مجھے ناگپور میں اچانک اطلاع موصول ہوئی کہ قائد اعظم تنہا حیدر آباد تشریف لے جا رہے ہیں۔ مجھے بحیثیت سالارِ اعلیٰ اپنے اکابرین کی نقل و حرکت سے ہمیشہ مطلع کیا جاتا تھا تاکہ میں اُن کی حفاظت کا انتظام کر سکوں۔ قائد اعظم کی روانگی اور وہ بھی تنہا تشویش انگیز تھی۔ للہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اُن کے ہمراہ حیدر آباد جاؤں۔ بمبئی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا ایک دستہ سید ہاشم علی النامدار سالار صوبہ بمبئی کی سرکردگی میں عازم حیدر آباد ہوا۔ بالآخر وہ دن آیا۔ جب کہ قائد اعظم ناگپور کے ہوائی اڈے پر پہنچے۔ یہ مقام ناگپور شہر سے بہت دور ہے لیکن یہ فاصلہ عقیدتمندوں اور کارکنوں کو اُن کے دیدار کی سعادت سے باز نہ رکھ سکا۔ ایک بڑا ہجوم زندہ باد کے نعرے لگاتا شوق دیدار میں وہاں موجود تھا۔ ہوائی جہاز آیا اور رک گیا۔ قائد اعظم مجسم شان و شوکت بنے جہاز سے نیچے اُتر آئے۔ اِس جہاز کے پائلٹ آغا نواب علی مرحوم بھی موجود تھے بیلوں والہانہ و بے تابانہ آگے کی طرف بڑھا۔ آغا کی نظریں مجھ پر پڑیں۔ وہ قائد اعظم کے سچے عقیدتمندوں میں سے تھے۔ انہیں اکثر قائد اعظم کو اپنے ہوائی جہاز میں لے جانے کا شرف

حاصل ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں قائدِاعظم کے ہمراہ حیدرآباد جا رہا ہوں تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ "تمھارے ہم سفر ہونے سے مجھے بڑا اطمینان نصیب ہوا کیونکہ مجھے اپنے جہاز کی فکر نہیں بلکہ مسلمانانِ ہند کی کشتی کے ناخدا کی فکر دامن گیر ہے"۔
یہ کہہ کر بے ساختہ انھیں نے کہا: "سپردم بتومایۂ خویش را"۔

ہم سب رفرشمنٹ روم میں آئے کیونکہ ناشتے کا وقت تھا۔ میں نے قائدِاعظم سے دریافت کیا کہ سفر کیسا رہا فرمایا: "موسم نہایت خوش گوار تھا اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی"۔ آغا زاب مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ دہلی اور گوالیار کے درمیان فضا بہت ابرآلود اور تکلیف دہ تھی۔ لیکن اس خیال سے کہ قائدِاعظم کو ہوائی جہاز میں تکلیف نہ ہو۔ میں نے وہ راستہ چھوڑ کر الیسا راستہ اختیار کیا جس میں انھیں موسم کی خرابی کا احساس نہ ہونے پایا۔ قائدِاعظم یہ سن کر مسکرائے۔ لبوں کو جنبش ہوئی اور معنی خیز انداز میں فرمایا: "تھینک یو"۔ اس کے بعد میری شامت آئی۔ جب میں نے جسارت کر کے عرض کیا کہ میں بھی اسی جہاز سے حیدرآباد جا رہا ہوں تو جرح شروع ہو گئی۔ اللہ کی پناہ! مجھ جیسا ایک معمولی فرد اور قائدِاعظم کی جرح۔ مختصر جواب دینے لگا اور سلسلۂ جرح یہ سمجھ کر ختم کیا کہ حضور کو حیدرآباد سے دعوت ملی اور مجھے بھی میں نے دعوت قبول کر لی ہے اس لیے حیدرآباد کا ارادہ ہے۔ قائدِاعظم کی گفتگو کا حاصل یہ تھا کہ میری خاطر حیدرآباد جانے کی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے لیے حفاظتی انتظامات کی چنداں حاجت۔ لیکن جب میرے فیصلے کا انھیں علم ہوا تو خاموش ہو گئے۔

## بتاؤ، مجھے آج اپنی تقریر میں کیا کہنا چاہیئے۔ نواب صدیق علی خان

میں اُس وقت کو کبھی نہیں بھول سکتا جب کہ وہ حیدرآباد میں ایک صنعت گاہ کے معائنہ کے لیے تشریف لے جاتے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے: "بتاؤ آج شام کو مجھے اپنی تقریر میں کیا کہنا چاہیئے"۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ سوال مجھ جیسے بے بضاعت شخص سے کیا جا رہا ہے۔ فرمانے لگے: "حیرت زدہ کیوں ہو؟" پھر کمالِ محبت سے فرمایا: "میں تمھیں سوچنے کا کافی وقت دیتا ہوں جب میں جلسہ گاہ جانے لگوں گا تو تم اُس وقت اپنی رائے سے مطلع کرنا"۔

شام کو جب وہ جلسہ گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو میں اللہ سے دعا میں کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے میری رائے طلب نہ کریں۔ لیکن وہ اللہ کے نیک بندے بھولنے والے نہ تھے۔ پوچھ بیٹھے۔ تعمیل ارشاد مقصود تھی۔ ناقص رائے دے سکتا تھا۔ عرض کر دیا۔ خوشنودی کا اظہار کیا۔

## سیاستدان تانگے والا کا مشورہ

مطلوب الحسن سیّد

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ قائد اعظم کو ایک خط آگرہ سے موصول ہوا۔ یہ لانبے کاغذوں پر لکھا ہوا چھ صفحے کا خط تھا اور سطریں بہت قریب قریب تھیں۔ خط اردو میں تھا۔ قائد اعظم نے پہلے تو خط پڑھوا کر سنا اور جب میں نے ان کو بتایا کہ راقم ایک تانگہ چلانے والا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ: "کمال ہے اتنی سوجھ بوجھ ہے اس آدمی کو سیاست میں!" جب چھ صفحے ختم ہو گئے تو میں نے آخر کا لکھا ہوا جملہ پڑھ کر سنایا وہ جملہ یہ تھا: "قائد اعظم اب میرے پاس ایک سواری آگئی ہے لہٰذا باقی خط کل لکھوں گا۔ آپ انتظار کریں!"

قائد اعظم اس پر بہت ہنسے اور کہا کہ اچھا اس خط کا انگریزی میں ترجمہ کر کے مجھے دے دو۔ جو میں نے کر دیا۔ دوسرے روز حسب وعدہ اس تانگہ والے کا بقیہ مضمون وصول ہو گیا اور تعجب کی بات یہ ہے دونوں خطوط میں بڑا ربط معلوم ہوتا تھا۔ اس خط کی اہمیت اس طرح معلوم ہو سکتی تھی کہ قائد اعظم نے اپنی اسمبلی کی تقریر میں اسے استعمال کیا اور اس طرح وہ خط بڑا مشہور ہوا اور مدتوں اس تانگہ والے کے پتہ کی تلاش رہی تاکہ وہ اس کا شکریہ ادا کریں۔ کیونکہ اس نے سوائے آگرہ کے اپنے خط کے ہر ورق پر کوئی پتہ تحریر نہیں کیا تھا۔ یہ ایک مثال ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو یہ کہتے ہیں کہ قائد اعظم کو مشورہ سے نفرت تھی۔

## سامان کی گنتی

نواب صدیق علی خاں

تھوڑی دیر بعد ہوائی جہاز حیدر آباد کے مستقر پہ جا کر رک گیا۔ ایک عظیم مجمع نظم و ضبط کو بالائے طاق رکھ کر اپنے رہنماؤں اور پولیس کی اپیلوں کو ٹھکرا کر ہوائی جہاز کی طرف ٹوٹ پڑا

دروازہ کھلنے سے قبل قائدِ اعظم نے اپنے سامان کی حفاظت کے لیے دوبارہ تاکید کی۔ میں نے اطمینان بخش جواب دیا۔ لوگوں کے شوقِ دیدار کی یہ حالت تھی کہ سیڑھی لگاتے ہی ہوائی جہاز میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ان کی کوششیں رائگاں گئیں کیونکہ سیڑھی کو علیحدہ کر کے دروازہ بند کر لیا گیا۔ وہ چند ساعتیں صرف قائدِ اعظم ہی نہیں بلکہ تمام مسافروں کے لیے تکلیف دہ تھیں۔ کسی کو خوب ترکیب سوجھی۔ پٹرول کی گاڑی جہاز کے دروازے پر لائی گئی۔ ادھر قائدِ اعظم اِس پر سوار ہو گئے۔ تھوڑا فاصلہ اِس طرح طے کیا تھا کہ پولیس نے مجمع پر قابو پا لیا اور قائدِ اعظم ریاست کی فرستادہ کار پر روانہ ہو گئے۔ آخر میں قائدِ اعظم کا سامان لے کر جہاز سے اُترنے کی میری باری آئی۔ بابر سالارِ صوبہ بمبئی میرے منتظر تھے۔ میں مہمان خانے کی بند گاڑی میں قائدِ اعظم کا سامان رکھوایا نہیں بلکہ خود رکھا۔ میرے سالار نے انتہائی کوشش کی کہ سب سامان اُن کی تحویل میں چھوڑ دیا جائے لیکن قائدِ اعظم کی تاکید، انمول کا غذات کی موجودگی اور میرے احساسِ فرض نے مجھ سے یہ کہلوایا کہ اگر میرے والد مرحوم بھی اس خدمت کو اپنے ذمہ لینے کے لیے تیار ہوتے تو میں نہایت ادب سے مجبوری کا اظہار کر دیتا۔ میں نے بند گاڑی میں سامان کے پاس بیٹھ کر سولہ یا سترہ میل کی مسافت طے کی جب میں راک لینڈ گیسٹ ہاؤس پہنچا تو قائدِ اعظم نواب صاحب چھتاری سے ہم کلام ہوئے۔ میں نے اُن کے کمرے میں سامان کو احتیاط سے رکھا اور قریب جا کر عرض کیا کہ وہ سامان دیکھ لیں فوراً اٹھے۔ اندر تشریف لائے۔ دستِ راست سے دستِ چپ تک ہر سامان پر انگلی رکھ رکھ کر گِنا اور چپ سے راست کی طرف اِس عمل کو دہرایا۔ مسکرا کر میری طرف دیکھا جس میں اطمینان کی جھلک تھی اور لفظ "تھینک یو" فرمایا جس سے مجھے میری تمام تکالیف کا عوض مل گیا اور میں نے دِل میں ایک عجیب سی خوشی محسوس کی جو بیان سے باہر ہے۔

## اُردو، ہر جگہ اُردو

مطلوب الحسن سیّد

دہلی میں ایک جلسہ ہوا اور حسبِ معمول ہزاروں آدمی جمع ہوئے۔ تقریریں شروع ہوئیں، لیاقت علی خاں، حسین امام، خواجہ ناظم الدین، چودھری خلیق الزماں اور نواب محمد وٹ نے تقریریں کیں۔

اِس کے بعد قائداعظم کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: "حاضرین! آپ نے دہلی کی اُردو سنی، بہار بنگال یوپی اور پنجاب کی اُردو سنی۔ اب آپ بمبئی کی اُردو سنیئے" اور اس طرح تقریر شروع کر دی۔

## نوکر سے دوستانہ لین دین

نقیب محمد

مجھے بعض ایسے مواقع بھی یاد ہیں جب صاحب سے میرا دوستانہ لین دین ہوا۔ ایک دن میں نے انھیں ہائی کورٹ سے لیا اور حسبِ معمول نیو چوپاٹی لے گیا۔ مِس جناح اُس دن کسی کام کی نگرانی کی وجہ سے گھر ٹھہر گئی تھیں۔ جب وہ کار سے اُترے تو انھوں نے حسبِ عادت ایک سگار نکالا، لیکن ماچس غالباً اپنے چیمبر میں بھول آئے تھے۔ وہ میری طرف مڑے اور نرمی سے کہا: "آپ کے پاس ماچس ہوگا؟" میں نے ماچس نکال کر انھیں دی۔

ایک دوسرے موقع پر انھوں نے "ٹائمز آف انڈیا" کے دفتر پہنچانے کے لیے ایک لفافہ دیا۔ "ٹرام پر چلے جانا" اور اپنی جیب سے ریزگاری تلاش کرنے لگے۔ ناکام ہو کر کہا: "اپنی جیب سے یہ کرایہ ادا کر دو۔ واپس آ کر بائی جی سے لے لینا۔"

## قائداعظم کے اُردو کے استاد

مطلوب الحسن سیّد

قرار دادِ لاہور کے بعد قائداعظم نے اُردو سیکھنی شروع کی تھی اور اکثر نواب بہادر یار جنگ اور ریڈیو کی مدد سے اُردو کی مشق کیا کرتے تھے۔ ایک سال کے بعد اُن کی اُردو زبان میں اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ وہ اچھی خاصی تقریر کر لیتے تھے۔ اُن کی زبان سے اُردو محاورے بڑے اچھے معلوم ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ "پاکستان کو انشاءاللہ ملے گا۔ مگر اس کے لیے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کرنا ہوگا۔ ورنہ ہنوز دلّی دور است!"

## اٹل فیصلہ

نواب صدیق علی خاں

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور کو کوئی مسلمان فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ ایک اہم اور تاریخی اجلاس تھا۔ جس میں حصول و قیام پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اِس

کی اہمیت اِس سے بھی بڑھ گئی تھی کہ اِس کے انعقاد سے دو دِن قبل لاہور میں سر سکندر حیات خاں کی وزارت اور خاکساروں کے درمیان شدید تصادم ہو گیا تھا ۔مرکزی حکومت نے اپنے وزیر قانون چودھری ظفر اللہ خاں سے قائدِاعظم کو کہلوایا کہ وہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے کیونکہ اِس سے نقضِ امن کا سخت اندیشہ ہے اور قائدِاعظم کی زندگی خطرے میں ہے ۔ یہ وقت تھا جب کہ ہندوستان کے طول وعرض سے لوگ جوق در جوق دہلی میں جمع ہو رہے تھے تاکہ اسپیشل ٹرین سے سفر کر کے اجلاس لاہور میں شریک ہوں ۔ قائدِاعظم کی خود اعتمادی اور رہنمائی کی آزمائش تھی ۔ انھوں نے ہم چند مخصوص لوگوں سے مشورہ طلب کیا ۔ قائدِاعظم کے ارادے اور طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے التوا کے خلاف رائے دی اور انھوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے وہی فیصلہ کیا جو ایک بڑے دور اندیش رہنما کا شیوہ ہونا چاہیے یعنی انہوں نے قطعی طے کر لیا اور حکم صادر کر دیا کہ یہ اجلاس ہو کر رہے گا اور وُہ خود بھی اِس میں شرکت کریں گے ۔

## قائدِاعظم کا سیکرٹری دشمن کے ہاتھوں میں

مطلوب الحسن سیّد

اوٹاکمنڈ کے سفر کا ہی واقعہ ہے ۔ جب ہم میسور کے قریب پہنچے تو ہمارے میزبان کے صاحبزادے کی رائے ہوئی کہ قریب کے گھوڑ دوڑ کلب میں کچھ وقت صرف کیا جائے ۔ چنانچہ اُن کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ قائدِاعظم اور مس فاطمہ جناح تو میسور کا سفر جاری رکھیں اور میں اُن کے صاحبزادے کے ساتھ کچھ دیر کلب میں ٹھہر جاؤں ۔ اُس زمانے میں یورپ میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور جرمن فوجیں اِدھر اُدھر مار دھاڑ میں مصروف تھیں ۔

رات کے وقت ہم لوگ کلب پہنچے ۔ وہاں بینڈ کے ساتھ یورپین مرد اور عورتیں رقص کر رہی تھیں ۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھ گیا ۔ تھوڑی دیر بعد میری طرف ایک بوڑھی عورت آئی اور آکر کہا کہ آج سینیچر کی شام کو تمہارے جیسا نوجوان اِس طرح اکیلا بیٹھا اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔ ناچ میں شرکت کیوں نہیں کرتے ۔ میں نے کہا کہ مجھے تو مغربی ناچ آتا نہیں ۔ ہمارے ساتھی کو معلوم نہیں کیا نشہ ارتہ

سوجھی کہ انھوں نے بڑھیا کو شہ دے دی وہ میرے سر ہوگئی اور زبردستی ناچ کے فرش پر گھسیٹ کر لے گئی۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد میں نے اپنا پیچھا چھڑایا اور واپس آیا۔

تقریباً سورج نکلتے وقت ہم میسو رپہنچ گئے اور حسبِ معمول قائدِاعظم کے ساتھ ناشتے میں شریک ہوئے۔ رات کو جاگنے کی وجہ سے ہمیں چند لمحے دیر ہوگئی تھی اور ہم نے معافی چاہی تھی۔ ساتھی بہت ذات شریف نکلے۔ انھوں نے نہایت شرارت آمیز انداز میں قائدِاعظم کے سامنے رات کی روداد سنادی اور کہا یہ رات کو ایک جرمن عورت کے ساتھ رقص میں مشغول تھے۔ قائدِاعظم نے جرمن کا لفظ سنتے ہی کہا: "اچھا مطلوب تو کل رات تم دشمن کے ہاتھوں میں تھے"۔

## قائدِاعظم آباؤ اجداد

نواب صدیق علی خاں

میں وہ واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو ۱۹۳۱ء میں شملہ کونسل ہاؤس کے پیش دالان میں ظہور پذیر ہوا۔ قائدِاعظم صوفہ پر رونق افروز تھے اور لوگ اس سیاست و قیادت کو پروانہ وار گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند قابلِ ذکر احباب حاجی سر عبداللہ ہارون، مولانا ظفر علی خاں، سید غلام بھیک نیرنگ اور حاجی عبدالستار سیٹھ تھے۔ باقی کے نام یاد نہیں۔ قائدِاعظم اس وقت ہم لوگوں سے بے تکلف ہوگئے تھے۔ آپ لفظ خوجہ کی وجہ تسمیہ، اس فرقے کا مشرف بہ اسلام ہونا اور ہز ہائی نس آغا خاں سے اپنے انحراف کے وجوہ بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے آباؤ اجداد لوہانہ راجپوت تھے۔ یہ لوگ ابھی تک پنجاب کے بعض حصوں میں آباد ہیں اور حضرت غوث اعظم کے خاندان کے ایک فرد پیر عبدالرزاق صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اس لیے انھیں خواجہ کہا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ نام بگڑ کر "خوجہ" ہوگیا۔

قائدِاعظم اور اُن کا تمام خاندان ہز ہائی نس آغا خاں کو اپنا پیر و مرشد سمجھتا تھا۔ لیکن قائدِاعظم کی بڑی ہمشیرہ کی شادی کے موقع پر عقائد کا اختلاف ہوگیا اور یہ رشتۂ عقیدت منقطع ہوگیا، مگر ہز ہائی نس نے قائدِاعظم کی قیادت و سیاست و قانونی دانی کا ہمیشہ اعتراف کیا اور یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ مذہبی نظریے مختلف ہونے کے باوجود قائدِاعظم ہز ہائی نس کے ہمیشہ قانونی مشیر رہے۔

# اور میرا ملازمت کے لیے قائداعظم کے سامنے پیش ہونا

مطلوب الحسن سیّد

میں جب لکھنؤ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر نکلا تو ایک دن خاموشی سے بمبئی بھاگ آیا۔ محض
کی خاطر۔ بمبئی میں مَیں بریلی میں ایک ہموطن کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا، کہ
ایک دن ایک اخبار کے وانٹڈ کے کالم میں چند انچ کا ایک مختصر سا اشتہار نظر سے گزرا جو مرزا
اصفہانی صاحب کی جانب سے تھا۔ میں نے یوں ہی ایک درخواست ٹھونک دی۔ کچھ دن بعد
مجھے ایک خط موصول ہوا کہ فلاں دن شام کے وقت فلاں جگہ اصفہانی صاحب سے ملاقات کروں۔
نیا نیا یونیورسٹی سے نکلا تھا۔ نفیس کپڑے پہننے کا شوق تھا۔ چنانچہ کھڑکھڑاتا ہوا سلک کا سوٹ
پہنے اچکی نبا مرزا صاحب کی فرودگاہ پر پہنچ گیا۔ مرزا صاحب اُس وقت ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھے۔
علیک سلیک کے بعد مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: "اچھا تو آپ نے
درخواست دی ہے۔ آپ کی عمر کیا ہے؟ تعلیم کیا ہے؟" میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ میری درخواست
آپ کے پاس موجود ہے اس میں مَیں نے یہ تمام باتیں وضاحت سے تحریر کر دی ہیں۔ آپ اگر اس
کا مطالعہ فرمائیں تو یہ سب اس میں مندرج ہیں۔

انھوں نے کہا "ہوں تو آپ کو شارٹ ہینڈ نہیں آتی۔ اِس کے بغیر بڑی مشکل ہو جائے گی۔
خیر کیا آپ یہ سیکھ لیں گے؟"

میں نے کہا "ضرور"۔

مرزا صاحب نے پھر فرمایا: "آپ کو معلوم ہے مسلم لیگ ایک عوامی جماعت ہے۔ اِس کے
پاس پیسہ نہیں۔ آپ کیا تنخواہ لینا پسند کریں گے؟"

میں نے عرض کیا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اس معاملے کو آپ پر چھوڑتا ہوں۔ جسم و جان کے
رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے آپ جو مناسب سمجھیں مقرر کر دیں۔"

مرزا صاحب نے کہا: "کیا ساٹھ روپے میں کام چل جائے گا؟"

میں نے کہا: "جناب آپ بمبئی میں رہتے ہیں آپ مجھ سے بہتر اِس بات کا اندازہ قائم کر سکتے

یعنی کہ جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں کس قدر آمدنی کی ضرورت ہوتی ہے؟"
مرزا صاحب نے کاغذ میرے آگے کرتے ہوئے کہا: "یہ لکھ دیجیے۔"
میں نے کاغذ پر لکھا: "جسم و جان کے رشتے کو قائم رکھنے کے لیے جو بھی ملے گا منظور ہوگا۔"
مرزا صاحب نے اصرار کیا کہ نہیں ساٹھ روپے کا لفظ لکھو۔
میں نے عرض کیا کہ یہ میرے لیے ممکن نہیں۔ میں تو یہی کر سکتا ہوں کہ جسم و جان کے رشتے کو قائم رکھنے کے لیے کم سے کم پر اکتفا کروں۔
بہرحال اس پر کافی ردوکد ہوئی۔ پھر انھوں نے ٹیلیفون اٹھا کر کسی سے گفتگو کی: "جناب والا ایک نوجوان آیا ہے۔ آدمی معقول نظر آتا ہے اگر حکم کیجیے تو آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ جی کل صبح دس بجے انھیں بھیج دوں --- بہت بہتر جناب۔"
ریسیور مرزا صاحب نے رکھ دیا اور ایک خط تحریر کیا اور اُسے لفافے میں بند کر کے مہر کر دی لفافے کو میری طرف بڑھایا تو میں اچھل پڑا۔ اُس پر لکھا ہوا تھا: "قائدِ اعظم محمد علی جناح"۔ میں نے لفافہ پرے سرکاتے ہوئے کہا: "جناب والا یہ آپ ہی رکھئے۔ میں اتنی بڑی شخصیت کی خدمت کی کوئی اہلیت نہیں رکھتا۔"
مرزا صاحب نے ملائم انداز میں سمجھایا: "مگر آپ کم از کم اُن سے مل تو لیں۔ اب تو میں اُن سے وقت بھی مقرر کر چکا ہوں۔"
میں نے کود کر اپنا ہیٹ سنبھالا اور لفافہ پھر مرزا صاحب کی طرف سرکاتے ہوئے عرض کیا کہ "جناب والا آپ یقین کریں۔ میں اِس پائے کی شخصیت کی خدمت بجالانے کا قطعی اہل نہیں۔ مجھے کچھ نہیں آتا۔ میں ابھی یونیورسٹی سے نکلا ہوں۔"
مرزا صاحب نے پھر اصرار جاری رکھا: "دیکھو نوجوان تم ایک بار اُن سے مل تو لو۔ اگر تم نہیں ملو گے تو میری بات جاتی رہے گی۔"
میں نے گھبرا کر عرض کیا: "جناب آپ نے مجھ سے پوچھ کر تو ٹیلیفون نہیں کیا تھا۔ میں کیا کروں۔ میں اتنے بڑے آدمی کی خدمت کی قابلیت نہیں رکھتا۔"

مرزا صاحب نے مشفقانہ انداز میں پھر مجھے سمجھایا۔ آخر طوعاً و کرہاً میں نے لفافہ اٹھالیا، اور اُن کو سلام کر کے نیچے اتر آیا۔

نیچے اترتے ہوئے میرا فیصلہ یہی تھا کہ میں یہ خط لے کر ہرگز قائداعظم کی خدمت میں نہیں جاؤں گا۔ میں بھلا اُن کے عظیم دفتر کو کیسے سنبھال سکوں گا۔ پریل واپس پہنچ کر میں نے چلتے چلاتے انداز میں اپنے میزبان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے مجھے لمبی چوڑی نصیحت کی اور کہا کہ ایسے مواقع قسمت والوں کو ہی ملتے ہیں۔ تم قائداعظم سے مل کر تو دیکھو۔ آخر ہرج ہی کیا ہے۔ تمھیں زبردستی تھوڑی ہی نوکر رکھ لیں گے۔

ہاں تو صاحب! اگلے دن ہم اسی کھڑکھڑاتے ہلکے سوٹ اور نفیس ٹائی سمیت قائداعظم کی فرودگاہ جا پہنچے ٹھیک دس بجے انھوں نے طلب کیا۔ سر سے پیر تک میرا ایک جائزہ لیا اور فرمایا: "نوجوان آپ کو شارٹ ہینڈ نہیں آتی۔ بہر حال اب نہ کوئی راستہ میرے سامنے ہے نہ آپ کے۔" قائداعظم سے میں نے عرض کیا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود کو آپ کی خدمت کا اہل نہیں سمجھتا۔ وہ مسکرائے اور فرمایا: "امید ہے تم میرے ساتھ نبھا لے جاؤ گے۔" پھر وہ اُٹھے اور مجھے ساتھ لے کر ملحقہ دفتر میں پہنچے اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ تمھاری کرسی ہے۔" تو صاحب یہ ابتدا تھی میری ملازمت کی۔

## بے لاگ اور سچّی بات کی قدر — مطلوب الحسن سیّد

یہ درست ہے کہ قائداعظم بڑے مستحکم مزاج انسان تھے اور بہت سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اٹھاتے تھے۔ لیکن اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی رائے کو ہر حالت میں مسلط کرنا ضروری سمجھتے ہوں ایک نہیں متعدد واقعات ایسے ہیں جب انھوں نے نہایت معمولی درجہ کے لوگوں کی بات غور سے سن کر اپنے فیصلے میں مناسب تبدیلی و ترمیم کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہا درجے کے منصف تھے اور حق بات کا ہمیشہ احترام کرتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک موقع پر ایک اخباری نمائندے نے ایک خاص سیاسی مسئلہ پر اُن سے ایک بیان لیا۔ اُن کی عادت تھی کہ بیان قلمبند کروانے کے بعد اُسے ٹائپ کروا

کرایک نظر دیکھتے اور اس کی ایک کاپی اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ بیان جب میرے پاس ٹائپ ہونے کے لیے آیا تو میں نے چٹ بھیجی کہ اس موضوع پر کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے مجھے فوراً بلالیا "میری دانست میں آپ کا بیان پیش از وقت ہوگا اور اسے جاری کرنے میں یہ قباحتیں پیدا ہو جانے کا امکان ہے " انھوں نے غور سے میرے دلائل کو سنا اور وہ بیان روک لیا۔ قائد اعظم بے لاگ اور سچی بات کہنے والے کی حد سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی کا وہ بہت احترام کرتے تھے۔

## رکھتا ہے دل میں تاب و تواں نو کروڑ کی

کرنل الٰہی بخش

ہم ۹ بجے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ قائد اعظم کو سٹریچر پر ڈال کر طیارہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو جہاز کے عملے نے انھیں سلیوٹ کیا۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ قائد اعظم نے فی الفور اس کا جواب دیا ہے۔ حالانکہ وہ اس قدر نحیف و ناتواں ہو چکے تھے کہ انھیں اپنے بستر میں کروٹ بدلنا بھی محال تھا اور ان میں کھانسنے تک کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ ہم ہکا بکا رہ گئے کہ آخر یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ انھوں نے سلامی کو مستعدی سے پذیرائی بخشنے کے لیے قوت مجتمع کر لی۔ یہ ایک استعجاب انگیز اور ناقابلِ فراموش لمحہ تھا جس سے ان کے اس احساسِ فرض اور ڈسپلن سے لگن کا اظہار ہوتا ہے۔ جسے انھوں نے قریب المرگ ہونے کے باوجود نظر انداز نہیں کیا تھا۔

## پاکستان ضرور بنے گا

رئیس احمد جعفری

بمبئی مسلم لیگ کی مسندِ صدارت پر مسٹر جنید ریگر متمکن ہو چکے تھے۔ اس سے قبل آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے ساتھ ساتھ بمبئی مسلم لیگ کی صدارت بھی قائد اعظم ہی کے تصرف میں تھی۔ بہر حال صوبہ لیگ کی صدارت سے دست کش ہونے کے باوجود اب بھی کبھی کبھی قائد اعظم شاہراہ کاسل (محمد علی روڈ)، مسلم لیگ کے دفتر میں تشریف لے آتے تھے اور اگر کبھی طبیعت حاضر ہوتی تو مخصوص حاضرین سے مختلف مسائل پر سیر حاصل گفتگو بھی فرماتے، سوالات کا جواب دیتے، اعتراضات پر مطمئن کرتے اور قیل و قال کے جواب میں تبسم فرماتے۔

وہ ایک مرتبہ اسی طرح بانٹوا اور شان یکتائی تشریف لائے اور بہت دیر تک تشریف فرما رہے۔
حاضرین میں ایک صاحب عزیز لالجی بھی تھے۔ یہ ایک میمن خاندان کے ہونہار اور دل آویز فرد تھے۔ بصورت میں قائداعظم کی ہو بہو تصویر، سیرت میں بھی اُن سے بڑی حد تک مشابہ۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے فدائیوں میں تھے۔ عین عالمِ شباب میں دق کے شکار ہوئے اور پاکستان بننے سے کئی سال پہلے اِس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ عزیز بھائی لالجی قائداعظم کے منہ چڑھے ہوئے تھے اور وہ انھیں بہت مانتے تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے بڑی پرجوش اور خطیبانہ تقریر انگریزی زبان میں کی تھی۔ تقریر کے بعد قائداعظم نے شفقت کے ساتھ اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تھا اور حوصلہ افزا الفاظ میں داد دی تھی۔
عزیز بھائی لالجی یہ معلوم کرنے کے لیے بہت بے تاب تھے کہ پاکستان کا مطالبہ مذاق ہے یا حقیقت؟ وہ بڑے جوشیلے آدمی تھے اور نیم دلی کے ساتھ کسی تحریک میں شرکت کرنا اپنے اصول کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج وہ ضبط نہ کر سکے۔ انھوں نے اعتراض کرنے کے انداز میں نہیں، معلوم کرنے کے انداز میں سوال کیا:-

"اگر کانگرس چودہ نکات مان لے تو کیا پاکستان کا مطالبہ تب بھی قائم رہے گا؟"

اب تک قائداعظم مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ دفعتہ سنجیدہ ہوگئے۔ انھوں نے تن کر کہا: "۱۴ نکات؟ —— ہمارا مطالبہ پاکستان ہے اور کچھ نہیں!"

عزیز لالجی نے کہا:-

"لیکن قائداعظم! ذرا غور تو کیجیے۔ سارے غیر مسلم اس مطالبہ کے سخت و شدید مخالف ہیں۔ جن کے پاس دولت ہے، رضاکار ہیں، قوت ہے، حکومت بھی اس مطالبہ کی حامی نظر نہیں آتی اور خود مسلمانوں میں بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو اِسے ناممکن سمجھتا ہے تو آخر پاکستان کیسے بنے گا؟ اکیلی مسلم لیگ ان کا مقابلہ کیسے کرے گی؟"

قائداعظم نے سمجھانے کے انداز میں کہا:-

"میرے بیٹے! شروع میں ہر تحریک کی اسی طرح مخالفت ہوتی ہے کانگرس نے جب آزادی کی تحریک شروع کی تھی تو کتنے آدمی اس کے ساتھ تھے اور آج؟ امریکہ نے جب آزادی کا نعرہ بلند کیا تو انگریز کتنے تڑپے تھے۔ لیکن آج وہ اِس کے یوم آزادی میں شریک ہوتے ہیں اور اس تقریب کے

موقعہ پر اِسے مبارکباد دیتے ہیں!"

اور دفعتہً بڑے جوش اور قدرے بلند آواز کے ساتھ کہا:-

"پاکستان کا مطالبہ عوام کی آواز بنتا جا رہا ہے۔ جو آج ہمارے مخالف ہیں کل ہماری تائید کریں گے۔ تمنا کریں گے کہ ہم اُن سے کام لیں۔"

پھر انھوں نے اِس تیقن کے ساتھ جیسے کہ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں ایک اٹل حقیقت ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر لیکن بڑی خود اعتمادی کے ساتھ کہا:-

"پاکستان ضرور بنے گا ——!"

## چقوں کا بل

مطلوب الحسن سیّد

ایک مرتبہ انھوں نے اپنے کمرے کے لیے ایسی چقوں کی تیاری کا حکم دیا جو ڈوری کھینچنے سے لپٹ سکیں۔ اِن چقوں میں لکڑی کی باریک پٹیاں استعمال ہوتی تھیں۔ جس فرم کو یہ آرڈر دیا گیا تھا۔ اُس کا مالک ایک نوجوان آدمی تھا۔ اُس نے قیمت کا جو تخمینہ دیا تھا اُس میں ٹیک کی لکڑی استعمال ہوتی تھی۔ لیکن کسی سبب سے اُسے یہ لکڑی مہیا نہ ہو سکی۔ اِس لیے اُس نے انھیں مطلع کیا کہ یہ لکڑی چونکہ دستیاب نہیں اِس لیے اِس کی جگہ دوسری لکڑی لگا دینا مناسب ہوگا اور یہ لکڑی ایسی ہی ہے کہ جو ٹیک ہی کی ہم پلہ ہے۔ قائدِاعظم اس بات پر راضی ہو گئے۔ جب چقیں بن کر آئیں تو فرم کے مالک نے بل پرانے تخمینے کے مطابق بنایا۔ اس پر انھیں اعتراض ہوا کہ پہلے تخمینے میں ٹیک کی لکڑی لگی تھی۔ اب چونکہ یہ نہیں لگی اِس لیے اِس کی قیمت میں کمی ہونی چاہیے۔

نوجوان کا کہنا تھا کہ چقوں کی تیاری میں اور دوسرے درجے کی لکڑی کو ٹیک کے ہم پلہ بنانے میں اُس کا خرچ اتنا ہی آیا ہے جتنا کہ ٹیک کی لکڑی پر آتا۔ اُس نے بات اِتنے مستحکم دلائل سے کہی کہ قائدِاعظم کو اِس کا بل منظور کرنا پڑا۔ یہی نہیں انھوں نے اُس کی راست گوئی اور مستحکم انداز کی تعریف و ستائش کی اور اُن کی اِس حوصلہ افزائی کا نتیجہ نکلا کہ وہ نوجوان آگے چل کر کاروبار میں نام پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

# علمی و تحقیقی تقریریں

عباس محمود العقاد

بلاشبہ وہ عظیم تھے اور عظیم انسانوں میں بھی ایک نرالی شان کے مالک۔ اُن کی عظمت محض خوش بیانی کی مرہونِ منت نہ تھی۔ دنیا میں اُن سے کہیں زیادہ خوش بیان لوگ گزرے ہیں۔ اُن کی عظمت تبحرِ علمی کا نتیجہ بھی نہیں کیونکہ وسعتِ علم اور عظمت کا جمع ہونا لازمی نہیں اور نہ ہم اُسے غیر معمولی دانائی کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں کیونکہ بعض اوقات داناترین لوگ بھی عظمت سے بیگانہ ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو غیر معمولی دانائی اور ذہانت، شرپسندی اور اذیت رسانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے ایسے لوگوں کو عظمت کا تاج نہیں پہنایا جا سکتا۔ قائداعظم کی عظمت ایسی نادر قسم کی ہے۔ جو انھیں دوسرے قومی قائدین اور سیاست دانوں سے الگ حیثیت ادا کرتی ہے۔ اِس کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟ ——— بے باک صداقت۔

قائدین بالعموم فخر و مباہات سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنی لسانی قوت سے عوام کے ذہنوں کو ماؤف کر کے انھیں اپنا آلۂ کار بناتے ہیں۔ بعض قائدین نیک نیتی سے ایسا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عوام کو آمادۂ عمل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے گویا اُن کی قیادت اِس کے بغیر ناتمام ہوتی ہے۔ اگر میں قائداعظم کی تقاریر اور بیانات میں بھی یہی رنگ پاتا تو بھی میری نظروں میں اُن کی عظمت کم نہ ہوتی اور نہ اُن کے خلوص پر شبہ ہوتا۔ مگر جب میں اُن کی گفتگو کو اِس سے خالی پاتا ہوں تو لامحالہ اُن کی عظمت کا احساس اور بھی شدید ہو جاتا ہے اس لیے کہ حصولِ مقصد میں بھی انھوں نے راست بازی اور صاف گوئی سے کام لیا اور اپنی قوم کو صراطِ مستقیم پر چلا کر منزلِ مقصود تک لے گئے۔

ایک دو دِن نہیں بلکہ شروع سے لے کر آخر تک کم و بیش چالیس سالہ سیاسی زندگی میں اُن کی زبان اور قلم سے ایسی ہی راست گوئی اور بے باک صداقت کا اظہار ہوتا رہا اور اُن کے سارے الفاظ اُسی کے سانچے میں ڈھلے نظر آتے ہیں۔ یہی خصوصیت اُن کا مابہ امتیاز ہے۔ اُن کی تحریریں اور تقریریں پڑھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے یہ کسی علمی و تحقیقی مجلس کے سامنے پیش کی گئی ہوں۔ یا حلف اُٹھانے کے بعد عدالت میں زبان پر لائی گئی ہوں۔ قائداعظم کے بالمشافہ اور غیبت میں کہے ہوئے

الفاظ، اُن کے خطوط اور عام مجمعوں کی تقاریر سب ایک ہی رُوح سے سرشار ہیں۔ وہ لاکھوں عوام کو مخاطب کرتے ہیں، لیکن وُہ اُن کو میٹھے میٹھے الفاظ سے خوش کرنے یا اُبھارتے کے بجائے اُن کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

## ہم تاریخ بنا رہے ہیں

۱۹۴۱ء میں معسکر بنگلور کے پلیٹ فارم پر ایک صاحب نے قائداعظم سے پوچھا تھا کہ "قائداعظم! ہم نے سنا ہے آپ مسلم انڈیا کی کوئی تاریخ لکھ رہے ہیں۔"

پہلے تو قائداعظم نے جواب نفی میں دیا۔ پھر سگار کا ایک کش لے کر بولے: "ہم تاریخ بنا رہے ہیں۔ آپ تاریخ بنا رہے ہیں آنے والے لکھیں گے۔"

## پاکستان کا پرچم

سردار عبد الرّب نشتر

چند یوم بعد بحریہ والوں نے چھوٹے چھوٹے پرچم بنا کر بھیج دیئے۔ کسی میں سفید رنگ دونوں طرف اور درمیان میں مسلم لیگ کا جھنڈا تھا۔ کسی میں سفید رنگ لکڑی کی طرف اور مسلم لیگ کا پرچم دوسری طرف اور کسی میں اِس کا اُلٹ۔ چنانچہ ایک سہ پہر کو آخری انتخاب پرچم کے لیے چند نمونے پیش ہوئے۔ دونوں طرف سفید رنگ اور بیچ میں مسلم لیگ کے جھنڈے والا تو بھلا نہیں لگتا تھا۔ اس لیے اِسے تو رد کر دیا گیا۔ باقی دو نمونوں پر بحث ہوئی۔ بالآخر موجودہ پرچم کا انتخاب کیا گیا۔ علاوہ دیگر وجوہات کے اِس کی تائید میں یہ دو باتیں بھی تھیں کہ ایک تو مسلم لیگ کے جھنڈے والا حِصّہ اُس طرف رہے گا جو ہوا میں اُڑتا ہے۔ کیونکہ یہ خوبصورت نظر آئے گا اور دوسرے جو کپڑا جھنڈے کی لکڑی پر چڑھایا جاتا ہے وہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اِس لیے اِس کے تسلسل میں سفید رنگ والا حصّہ ہونا چاہیے۔

دورانِ گفتگو قائداعظم نے فرمایا کہ یہ بہتر نہ ہوگا کہ پاکستان کے پانچ صوبوں کی نمائندگی کے لیے پرچم میں پانچ ستارے رکھے جائیں۔

میں نے عرض کیا کہ پاکستان کے ساتھ ریاستوں کا الحاق ہوگا نیز اور کئی وجوہات سے ہمارے صوبوں میں کمی بیشی کا امکان ہے۔ اِس لیے اگر یونٹوں کی تعداد میں تبدیلی واقع ہوگئی تو وقتاً فوقتاً

ستاروں کی تعداد بدلنا پڑے گی اور اگر نہ بدلیں تو پانچ ستارے بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔

اِس پر قائدِ اعظم نے مسکرا کر فرمایا :

"ایسی صورت میں ہم پانچ ستاروں کی توجیہ یہ کریں گے کہ اِن سے مراد "پنج تن" ہیں"

آخر کار یہی طے پایا کہ ایک ستارہ ہی رہے گا کیونکہ مسلم لیگ کے جھنڈے میں ایک ہی ستارہ ہے۔

## دو مبارک ہار

**حفیظ جالندھری**

انجمن فیض الاسلام راولپنڈی نے مادرِ ملت کو اپنے بھائی کے قائم کئے ہوئے یتیم خانہ کے معائنہ کرنے اور امداد کے لیے درخواست کی۔ اس درخواست کو محترمہ نے منظور فرمایا۔۔۔

سٹیج پر جس راہ محترمہ کو لاکر بٹھایا گیا۔ انجمن کے چند عمر رسیدہ ارکان اور بزرگ خواتین کے ساتھ مجھے بھی یہ شرفِ شراکت حاصل ہوا تھا۔ اس لیے کہ انجمن کی طرف سے ایک سرِ راہ کے چند تعارفی کلمات اور جس مقصد سے قائد اعظم کی ہمشیرہ کا ورود ہوا تھا اُس کے مختصر بیان کے بعد مجھے اس بڑے مجمع کے سامنے بذریعہ نظم محترمہ مادرِ ملت کو مخاطب کرنا طے ہو چکا تھا۔ چنانچہ افتتاحی مختصر تقریر کے بعد میرا نام لیا گیا۔ مَیں استادہ ہوا۔ محترمہ مجھ کو اچھی طرح جانتی پہچانتی تھیں میرے سلام کا اُسی سکون آمیز مسکراہٹ سے جواب دیا اور میں نے یہ طویل نظم محترمہ کو خطاب کرتے ہوئے اپنے اُسی انداز سے پیش کی جو مجھ سے متوقع تھا۔

مگر نظم سنانے سے پہلے یہ واقعہ بھی میری اپنی زندگی کے اُن دو تین واقعات میں سے ہے جو میرے لیے باعثِ شرف وافتخار ہے۔

ہوا یہ کہ حسبِ معمول انجمن کے صدر نے نظم کے لیے اِستادہ ہوتے وقت ایک زریں ہار میرے گلے میں ڈال دیا اور یہ جلسوں میں لب کشا ہونے والوں کی عمومی روایت ہے۔ لیکن مَیں نے یہ ہار گلے سے اتار دیا اور نہایت ادب کے ساتھ مادرِ ملت کے گلے میں ڈالنے کے لیے یہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھائے

(فقط ہماری ماں اِس

کی حقدار ہے) قائداعظم کی بہن نے ہار میرے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ انہیں اور ساری خلقت کے روبرو میرے گلے میں ڈال کر فرمایا:۔

(تم دوسری مرتبہ بھی اس کے حقدار ہو) اس کا مفہوم یہ تھا کہ اسی طرح دہلی کی جامعہ ملیہ کے جلسے (پاکستان سے دو برس پیشتر) میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے میری نظم کے آغاز میں ایسا ہی ہار میری گردن کے لیے پیش کیا تو میں نے اُن سے لے کر ڈائس سے ہٹ کر دہنے ہاتھ قائداعظم کے گلوئے مبارک کے لیے ہاتھ بڑھائے تو ملت کے باپ نے بھی میرے ہاتھ سے چھین کر کہا اور میرے گلے میں ہار ڈال دیا تھا۔ اب یہ دونوں ہار میرے کمرے میں قرآن کریم کے ساتھ ہیں اور میری وصیت بھی لکھی ہوئی اُن کے ساتھ موجود ہے کہ اِن کو میری لحد میں رکھ دیا جائے۔

# جمہوریت پر ایمان

## رئیس احمد جعفری

قائداعظم جن لوگوں کے اخلاص سے متاثر تھے انہیں بھی عوام پر مسلط کرنے کی انھوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ مثلاً جناب چندریگر کے اخلاص، وفاداری اور جذبہ ملی کے قائداعظم حد درجہ قدر شناس تھے اور انہیں ترقی کے مواقع بھی دینا چاہتے تھے۔ وہ احمدآباد میں وکالت کرتے تھے لیکن قائداعظم کے ایما پر بمبئی آگئے اور صوبہ مسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ پریکٹس بھی چمک اُٹھی۔

اِس اثنا میں مسلم لیگ کے اندر ایک ترقی پسند گروپ پیدا ہو چکا تھا جو چندریگر صاحب کے بجائے ایک نوجوان اور پرجوش مسلم لیگی ڈاکٹر قاضی کو صدر بنانے پر تلا ہوا تھا۔ قائداعظم اگر چاہتے تو چندریگر بلامقابلہ منتخب ہو سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے مداخلت پسند نہیں کی۔ کوئی بیان بھی نہیں دیا۔ کوئی ہدایت نامہ نہیں شائع کیا۔ وہ خود بھی ووٹر تھے اور بمبئی میں تشریف فرما بھی تھے لیکن ووٹ بھی اِس خیال سے ڈالنے نہیں آئے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں وہ چندریگر صاحب کی صدارت کے خواہاں ہیں۔ چندریگر صاحب نے یہ معرکہ اپنی ذاتی خوبی اور اثر و رسوخ سے سر کیا اور منصب صدارت پر فائز ہو گئے۔

# صدمے کا اثر

محمد حنیف آزاد

قائدِ اعظم نے بمبئی کے ایک بہت بڑے پارسی کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ تو سب کو معلوم ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے کہ پارسی اس رشتے سے بہت ناخوش تھے۔ اُن کی یہ کوشش اور خواہش تھی کہ جناح صاحب سے بدلہ لیں۔ چنانچہ بعض دقیقہ رس اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ قائدِ اعظم کی لڑکی کا پارسی لڑکے سے شادی کرنا ایک منظم سازش کا نتیجہ ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن مجھے صرف اِس قدر معلوم ہے کہ صاحب کی زندگی میں اپنی بیوی کی موت کے بعد یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ اُن کی صاحبزادی نے ایک پارسی سے شادی کرلی ہے تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اُن کا چہرہ اِس قدر لطیف تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ بھی اس پہ آثار چڑھاؤ پیدا کر دیتا تھا۔ جو دوسروں کو فوراً نظر آجاتا تھا۔ ماتھے پر ہلکی سی شکن ایک خوفناک خط کی صورت اختیار کر جاتی تھی —— اُن کے دِل و دماغ پر اِس حادثے سے کیا گزری اِس کے متعلق مرحوم ہی کچھ کہہ سکتے تھے ہمیں صرف خارجی ذریعوں سے جو کچھ معلوم ہوا اُس کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت مضطرب رہے۔ پندرہ روز تک وہ کسی سے نہ ملے۔ اس دوران میں انھوں نے سینکڑوں سگار پھونک ڈالے ہوں گے اور سینکڑوں میل ہی اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگا کر طے کئے ہوں گے۔

پندرہ دِن مسلسل ذہنی اور روحانی طور پر مضطرب رہنے کے بعد ایک روز ایکا ایکی نمودار ہوئے اُن کے چہرے پر اَب اس صدمے کا کوئی اثر باقی نہیں تھا۔ ان کی گردن جس میں فرطِ غم کے باعث خفیف سا خم پیدا ہوگیا تھا، پھر اسی طرح سیدھی اور اکڑی ہوئی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس صدمے کو بھول گئے۔

ملازموں سے کیا بات چھپی رہتی ہے کبھی کبھی وہ صندوق کھولنے کا حکم دیتے تھے۔ جست کے اِس جہازی صندوق میں بے شمار کپڑے تھے۔ اُن کی مرحوم بیوی اور نافرمانبردار لڑکی کے جب وہ چھوٹی سی بچی تھی۔ یہ کپڑے باہر نکالے جاتے تو صاحب سنگین خاموشی سے اُن کو دیکھتے رہتے۔ ایک دم اُن کے دبلے پتلے اور شفاف چہرے پر غم واندوہ کی لکیروں کا جال سا بکھر جاتا۔ 'اِٹ از آل رائٹ'،

اِٹ از آل رائیٹ، کہہ کر وہ اپنی آنکھ سے مونوکل اتارتے اور اُسے پونچھتے ہوئے ایک طرف چل دیتے۔

## مسلمان ایک ہیں

رئیس احمد جعفری

فرقہ پرستی سے قائداعظم کو شدید نفرت تھی۔ وہ مسلمان کو صرف مسلمان ہی دیکھنا چاہتے تھے۔ مثلاً مسلمانوں کے ایک بنک کے بانی سیٹھ نے کچھ خود دیا۔ کچھ اپنے دوستوں سے لیا اور سولہ لاکھ کے سرمایہ سے ایک یتیم خانہ قائم کیا جو صرف اپنے فرقے کے لیے تھا۔ افتتاح کی دعوت قائداعظم کو دی گئی۔ قائدِ اعظم نے فرمایا:-

"اگر یہ مسلم یتیم خانہ ہے اور اس میں ہر مسلمان یتیم داخل ہو سکتا ہے تو افتتاح کر سکتا ہوں، ورنہ نہیں"!

یہ بزرگ سیٹھ صاحب بھی دھن کے پکے تھے۔ انھوں نے افتتاح قائداعظم کے دستِ مبارک ہی سے کرایا اگرچہ انھیں اپنے دستور میں تبدیلی کرنی پڑی یعنی ایک خاص فرقہ کا یتیم خانہ مسلم یتیم خانہ بن گیا۔

## غلط افواہ

مصطفٰے کمال پاشا

جدوجہد پاکستان کے لیے قائداعظم نے اپنی قوم سے چندے کی اپیل کی مسلمانوں نے قائداعظم کے اس حکم پر عمل کرنا اپنا فرضِ اوّلیں تصور کیا اور ہر غریب و امیر نے اپنی بساط کے مطابق اور قومی جذبہ کے تحت چندہ ارسال کیا۔ چندہ کی رقم براہ راست قائداعظم کو ارسال کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ والد مرحوم نے جو اس دوران سخت علیل تھے اپنے رہنما کے اس حکم پر لبیک کہتے ہوئے کچھ رقم پس انداز کی اور مجھے حکم دیا کہ قائداعظم کو براہِ راست منی آرڈر کر دوں۔ اُس وقت ایک ہندو کانگرسی لیڈر (جو کہ بھارت کی لوک سبھا کا رکن رہ چکا ہے) والد صاحب کی مزاج پرسی کے لیے ہمارے ہاں آیا ہوا تھا۔ اُس نے سنا کہ والد صاحب قائداعظم کو ۱۲۵ روپے کی رقم کا منی آرڈر براہ راست بھیج رہے ہیں۔ تو اُس نے طنزیہ کہا: "جناح صاحب کے پاس اتنا وقت کہاں کہ معمولی رقم کے منی آرڈر پر دستخط کرتے پھریں اور پھر وہ تو ایک مغرور انسان

ہے اور لارڈ کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں البتہ نوابوں اور اُن لوگوں کے منی آرڈر پر یقیناً دستخط کریں گے جو انھیں چندے کی سورت میں ہزاروں اور لاکھوں کی رقم بھیجیں گے۔"

میں نے اِس ہندو لیڈر کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور چپکے سے موچی دروازہ کے ڈاک خانے میں قائداعظم کے نام مبلغ ۱۲۵ روپے کی قلیل رقم منی آرڈر کرآیا۔ چند روز بعد منی آرڈر کی رسید آگئی۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ رسید پر قائداعظم کے دستخط تھے جو کہ لفظ "ایم اے جناح" پر مشتمل تھے۔ اس وقت مجھے متعصب ہندو لیڈر کی باتوں پر بہت غصہ آیا اور میں نے سوچا کہ دشمن لوگوں نے میرے محبوب رہنما کے متعلق کس قسم کی غلط افواہیں پھیلا رکھی ہیں۔

## بیٹی سے علیحدگی

رئیس احمد جعفری

دینا قائداعظم کی اکلوتی اور چہیتی لڑکی تھیں۔ ماں کی جواں مرگی نے انھیں ننھیال میں پروان چڑھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اسلام سے دور ہوتی گئیں۔ قائداعظم کو پتہ اُس وقت لگا۔ جب ایک مِل اونر پارسی نژاد عیسائی خاندان میں خفیہ خفیہ شادی طے ہو چکی تھی۔ قائداعظم نے اِس موقع پر مولانا شوکت علی کو یاد کیا اور باچشم تر اُن سے استدعا کی کہ کسی طرح وہ اُن کی لڑکی کو جادۂ اسلام سے منحرف نہ ہونے دیں۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا چند روز بعد شادی ہو گئی۔

مگر یہ غم قائداعظم نے بڑے حوصلے سے برداشت کیا اور یہ واقعہ ہے کہ پھر زندگی کے آخری سانس تک انھوں نے اپنی لڑکی کا منہ نہ دیکھا حالانکہ قائداعظم کی آزاد خیالی سے عام توقع یہی تھی کہ کچھ عرصے بعد وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔

## مسلم لیگ کا خیال

سر عبد القادر

سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء میں بمقام دہلی ہوا اور میں اور جناب محمد علی جناح صاحب دو تین دن ایک کیمپ میں فروکش تھے۔ مجھے انھوں نے ازراہِ کرم اس اجلاس کی صدارت کے لیے تار دے کر بلایا اور میں حاضر ہو گیا۔ حسن اتفاق سے اُن دنوں مجھے

مرحوم کی طبیعت کا ایک رنگ دیکھنے کا موقعہ ملا جس کا مجھے اِس سے پہلے احساس نہ تھا۔ میں اُن کی اعلیٰ قانونی دانی اور فصاحت و بلاغت سے واقف اور اُن کی بے نظیر قیادت کا مداح تھا۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ اُس لباس کے نیچے جو اُس زمانے میں اُن کے زیبِ بدن تھا ایک انتہا درجے کا مومن پوشیدہ ہے جو ملتِ اسلام کے درد سے بھرپور ہے۔ پہلے جلسے کے اختتام کے بعد مرحوم شام کے کھانے سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں تنہا تشریف لائے اور مجھے یہ بتایا کہ ان کا ارادہ ہو رہا ہے کہ ہندوستان سے نقل مکانی کر کے لندن میں اقامت پذیر ہوں اور وہاں پریوی کونسل کے مقدمات میں بھی پیش ہوتے رہیں اور اِس غرض سے وہ ایک ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جو مسلم لیگ کا کام اُن کی غیر موجودگی میں سنبھال لے۔

یہ بات کہتے ہوئے اُن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں اس خدمت کے لیے آمادہ ہو سکتا ہوں۔ بدقسمتی سے میرے ذاتی حالات اُس وقت ایسے تھے کہ میں اپنے آپ میں یہ بارِ امانت اُٹھانے کی طاقت نہیں پاتا تھا۔ میں نے نہایت عجز سے معذرت کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں ایک کثیر العیال آدمی ہوں اور فکرِ معاش پر مجبور ہوں اور اب سیاسی کام ایسا نہیں رہا کہ اور کاموں کے ساتھ نبھ سکے۔ اپنی معذوری بیان کرتے وقت میں نے اُن کی خدمت میں با ادب یہ مشورہ پیش کیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ پوری کامیابی حاصل کرے تو آپ سے بہتر اِس کو کوئی نہیں سنبھال سکتا۔ آپ یا ولایت جانے کا ارادہ ترک فرمائیں یا کوئی عارضی انتظام اپنی غیر موجودگی کے زمانے کے لیے کر جائیں اور پھر واپس آ کر لیگ کو سنبھالیں۔ اُس وقت تو اِس جواب سے وہ قدرے مایوس نظر آئے مگر بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ لیگ کے لیے اُن کا اِس کو سنبھالنا لیگ کی زلیست اور حد سے زیادہ کامیابی کا موجب بنا۔ میں محمد علی جناح کے اُس پر درد چہرے کو نہیں بھول سکتا جو میں نے اُس شب کو دیکھا اور نہ آنسوؤں کو جو اُس وقت اُن کی چشمِ پُر آب میں میں نے دیکھے تھے۔ پاکستان اُسی پُر درد دِل کا کرشمہ ہے اور انہی آنکھوں کے آنسو ہیں جنھوں نے پاکستان کے چمن کی آبیاری کی ہے۔

## یہ تو میرے لیے ہیں

فیروز خان نون

نومبر ۱۹۴۷ء میں آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کے بعد جس کا ایک رکن مجھے بھی منتخب کیا گیا تھا
قائداعظم نے مجھے مشرقِ وسطیٰ کا دورہ کرنے کی ہدایت کی تاکہ مسلمان ممالک سے رابطہ پیدا کیا جائے۔ میں نے
سعودی عرب کے شاہ ابن سعود اور اُردن کے شاہ عبداللہ سے ملاقاتیں کیں اور پھر لبنان گیا۔ اس کے
بعد میں ترکیہ گیا اور وہاں سے بغداد جا رہا تھا کہ وہاں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی لہٰذا کراچی واپس آگیا اور
میں نے قائداعظم کو اپنے دورے کی طویل اور مفصل روداد ارسال کی تھی جسے انھوں نے بہت پسند کیا
تھا۔ ایک دن خارجہ امور کے سیکرٹری مسٹر اکرام اللہ قائداعظم کے پاس میری اُن یادداشتوں کی نقول لے
کر گئے جو میں نے قائداعظم کے لیے انھیں ارسال کی تھیں۔ قائداعظم نے بے تابی سے کہا: "انھیں آپ نے
اپنے پاس کیوں رکھا ہے؟ یہ تو میرے لیے ہیں۔ انھیں یہیں چھوڑ جائیے۔"

## اللہ — پاکستان!

ڈاکٹر ریاض علی شاہ

گیارہ ستمبر کو ہم کوئٹہ سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی روانہ ہوگئے۔ قائداعظم بہت کمزور ہو چکے تھے لیکن
بفضلِ خدا راستہ میں طبیعت درست رہی۔ سفر کے دوران کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ کراچی پہنچنے پر محترمہ
فاطمہ جناح نے فرمایا کہ قائداعظم کی طبیعت قدرے درست ہے اب آپ جا کر آرام کریں اور شام کو
حسبِ معمول چلے آئیں۔ لیفٹیننٹ کرنل الٰہی بخش ہوٹل چلے گئے اور میں لیفٹیننٹ کرنل مظہر حسین شاہ
کے ہاں چلا گیا۔ کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ نو بجے کے قریب فون آیا۔ "کمزوری زیادہ ہو گئی ہے، بے
قراری بڑھ رہی ہے۔ آپ فوراً پہنچیے۔" چنانچہ میں اور لیفٹیننٹ کرنل الٰہی بخش تقریباً ایک ہی وقت
گورنمنٹ ہاؤس پہنچے۔ ڈاکٹر مستری بھی آگئے۔ ہم نے قائداعظم کا معائنہ کیا۔ میں نے ٹیکہ لگایا۔ آپ پر
اس وقت بے ہوشی طاری تھی۔ نبض کی رفتار بھی غیر مسلسل تھی۔ قدرے حالت سنبھلی۔ چند منٹ تک
حالت اچھی رہی پھر دل ڈوبنے لگا۔ نبض پھر غیر مسلسل ہو گئی۔ آنکھیں پتھرانے لگیں۔ سانس رک رک
کر آنے لگی اور بے ہوشی کے عالم میں آپ نے کہا: "اللہ — پاکستان۔"

آپ کے مصنوعی دانت پہلے ہی نکال دیئے گئے تھے اِس لیے اِن دو لفظوں کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آسکا کہ آپ نے کیا کہا ہے۔ یہ بڑا رقت آمیز منظر تھا۔ ایک طرف میں، کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر مستری کھڑے تھے اور دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناح بچشم غم کھڑی تھیں۔ وہ اِس دردانگیز منظر کی تاب نہ لاسکیں اور کمرے کے ایک طرف صوفے پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ میں نے نرس سے کہا کہ وہ جا کر محترمہ فاطمہ جناح کو تسلی دے۔ میں خود قائدِاعظم کے بستر کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اُس وقت دیر دیر سے سانس آنے لگی تھی اور نبض ڈوب چکی تھی۔ میں نے دیر تک اُن کی آنکھیں بند رکھیں۔ جب آخری سانس کے بعد پھر سانس نہ آئی تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس وقت میری گھڑی میں دس بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔

## مرکزِ توجّہ

عزیز احمد

ایک زمانہ تھا جب بقولِ مہاتما گاندھی ملک میں بچے بچے کی زبان پر قائدِاعظم کا نام رہتا تھا اُن دِنوں ہر مذہب و ملّت کے نوجوان اُن کی تقلید کو ترقی اور کامیابی کے زینے کی پہلی سیڑھی خیال کیا کرتے تھے۔ نوجوانوں میں قائدِاعظم کی مقبولیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُن دِنوں کھدر پوشی کا دور دورہ تھا اور اخبارات کے صفحات اور جلسوں کی تقاریر میں سودیشی کی وکالت میں مسلسل آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لیکن جو نوجوان میدانِ سیاست میں اترتا تھا وہ 'مسٹر جناح' ہی کے لباس اور اندازِ تقریر کی پیروی کرتا نظر آتا تھا۔ وہ اپنے رئیسانہ لباس، دراز قد، باوقار چہرے اور خوشنما ہاتھوں کی وجہ سے سب کے مرکزِ توجہ بنے ہوئے تھے۔ سنا ہے ایک عرصے تک بمبئی کی عدالتوں میں یہ حالت رہی کہ جو نیا وکیل پریکٹس شروع کرتا تھا وہ مسٹر جناح کی اتنی زیادہ تقلید کرتا تھا کہ اُن کا نقال معلوم ہونے لگتا تھا'

## جج ۔ عوام، وکیل ۔ قائدِاعظم

عزیز احمد

ستمبر ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے، مَیں اپنے ایک عزیز کے ساتھ بمبئی گیا۔ ایک روز صبح کے وقت ہم

مالابارہل کے معلق باغ ( Hanging Garden ) کی سیر کر کے لوٹ رہے تھے راستے میں قائداعظم کی کوٹھی نظر پڑی۔ دروازے پر باوردی دربان کھڑا تھا۔ ہم نے اُس سے دریافت کیا کہ کوئی شخص قائداعظم سے ملنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ اُس نے جواب دیا اندر جا کر سیکرٹری صاحب سے معلوم کر لیجیے۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ کوٹھی کی فضا پر ایک گہرا سکوت چھایا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہر شے ایک عظیم شخصیت کے حضور میں اعترافِ عجز سے دم بخود ہے۔ سامنے کے کمرے میں سیکرٹری صاحب ایک خوشنما میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے کسی کام میں مصروف تھے۔ ہمارے سلام کرنے پر اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کا جواب دے کر پوچھنے لگے ”کہاں سے تشریف لائے ہیں“؟ میں نے جواب دیا ”ہم پنجاب سے آئے ہیں، بمبئی کی سیر کرنے کی غرض سے اور قائداعظم سے ملاقات کے خواہش مند ہیں“

وہ پوچھنے لگے: ”ملاقات کی غرض کیا ہے“؟ میں نے کہا کوئی خاص کام نہیں ہے۔ بس دیدار اور مصافحہ۔ فرمانے لگے ”اس وقت تو غالباً قائداعظم آرام فرما رہے ہیں۔ آپ اپنا پتہ چھوڑ جائیں، ملاقات کا وقت مقرر کر کے آپ کو اطلاع بھیج دی جائے گی“ میں نے ہنس کر کہا: ”صاحب! ہم ٹھہرے سیلانی آدمی، بہتے دریا اور رمتے جوگی کو کون و مکاں سے کیا واسطہ، اگر اس وقت ملاقات کا موقع مل جائے تو فبہا، پھر کے لیے آپ تکلیف نہ کریں“۔ سیکرٹری صاحب بولے: ”بہت بہتر۔ میں ابھی اُن سے ملاقات کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں“۔ میں نے کہا ”اگر موصوف آرام کر رہے ہیں تو ہم تو اُن کے آرام میں خلل انداز ہونا پسند نہیں کریں گے“۔ مگر سیکرٹری صاحب نے ہم کو اصرار سے روکا اور خود متصل کمرے میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور بتایا کہ قائداعظم اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ہم پنجابی وضع کا معمولی لباس پہنے ہوئے تھے اور ہمارے جوتوں پر راستے کی گرد بھی جمی ہوئی تھی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ہماری ہیئت کذائی کچھ زیادہ متاثر کن نہیں تھی۔ لیکن جونہی ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے دورِ حاضر کا سب سے بڑا مدبر اور سیاستدان جس نے اپنے عزم و استقلال، تدبر و ذہانت، تحریر و تقریر، علم و فضل اور جد و جہد سے ایک عدیم النظیر انقلاب برپا کر دیا۔ جس نے سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا اور زندہ رہنے کی امنگ بخشی وہ بطلِ حریت جس نے سیاست

کی بساط پر دشمنوں کو بار بار مات دے کر ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے انوکھی شان رکھتی ہے وہ ہم دو غیر معروف مسلمانوں کی تعظیم کے لیے سرو قد کھڑا ہو گیا اور سلام مسنون کا جواب دیتے ہوئے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔

اُن دنوں پنجاب میں سکندری راج تھا قائد اعظم سر سکندر کی روش سے مطمئن نہ تھے پنجاب کی سیاسیات پر گفتگو چھڑ گئی تو انھوں نے سر سکندر کی روش کی مذمت کی اور اپنے دعوے کی تائید میں اخبارات کے تراشوں کا فائل نکال کر اس میں سے حوالے دینے شروع کر دیئے۔ وہ اپنی آنکھ پر مونوکول لگا کر اخبار کے تراشے میں سے ہمیں کچھ عبارت پڑھ کر سناتے اور پھر ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتے گویا ایک وکیل جج کو اپنا مقدمہ سمجھا رہا ہے۔

قائد اعظم ہم سے نہایت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ حالانکہ انھیں خوب معلوم تھا کہ ہم نہ تو لیڈر ہیں، نہ کچھ نمایاں آدمی ہیں اور نہ ہماری ملک میں کوئی آواز ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے سامنے نہایت متانت، سنجیدگی اور انہماک سے اپنا نقطۂ نظر واضح کر رہے تھے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ قائد اعظم چند منٹ گفتگو کرنے کے بعد خود ہی ہم کو چلتا کر دیں گے لیکن جب کافی وقت ہو گیا اور انھوں نے اس قسم کی کوئی بات اشارۃً بھی نہ کہی تو میں نے اپنی طرف سے پہل کی اور یہ کہہ کر ہم آپ کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں ہم دونوں رخصت ہوئے مگر حیران تھے کہ کیا سنا تھا اور کیا نکلا۔

اس کے بعد جب کبھی میں نے قائد اعظم کے بارے میں ایسی رائے پڑھی یا سنی کہ وہ مغرور یا بد مزاج انسان ہیں تو مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

## جناح، خدا کی رحمت ہے

### چوہدری غلام عباس

قائد اعظم کی ذات سے نواب بہادر یار جنگ کو والہانہ عقیدت تھی۔ مری نگر میں آ کر ہماری مجلسِ عاملہ میں شریک ہوئے تو بغیر تمہید کے قائد اعظم کی مدح سرائی میں موتی بکھیرنے شروع کر دیئے اور فرمایا: "جناح جناح نہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے جو ہم مسلمانوں پر آسمان سے نازل ہوئی ہے"

ایک دفعہ مَیں قائداعظم سے ملنے دہلی گیا۔ نواب صاحب ملاقات سے فارغ ہوکر باہر آئے، تو قائدِ اعظم کے دربان غلام محمد کو دس روپے کا نوٹ دینا چاہا۔ اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب باوجود اصرار اور تقاضے کے نواب صاحب اُس کو مائل نہ کر سکے تو فرمایا: "دیکھو! غلام محمد تم قائداعظم کے دربان ہو اس لیے تمہارا مقام بہت اونچا ہے، جسے تم محسوس نہیں کرتے۔ خدا گواہ ہے اگر قائداعظم قبول کر لیں تو تمہاری جگہ میں اُن کی دربانی کو اپنے لیے سعادتِ دین و دنیا سمجھوں گا۔" اور یہ کہہ کر کچھ آبدیدہ ہو گئے۔ مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے بھی غلام محمد کو سمجھایا چنانچہ اُس نے وہ رقم قبول کر لی۔ (چودھری غلام عباس)

## دو جناح

**مسعود قریشی**

دوسرے روز ہم پانچ آدمی جنھیں پچھلی شام ہی چن لیا گیا تھا، گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ قائداعظم کے سیکرٹری نے ہمارے نام لکھ کر اُن کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اُسی وقت بلاوا آ گیا۔ ہم کچھ عجیب سے تصورات میں اُلجھے ہوئے ایک بڑے سارے مستطیل کمرے میں پہنچے۔ اُس کی سادگی بھی مرعوب کن تھی۔ قائداعظم اپنے محبوب سفید رنگ کے ریشمی سوٹ میں ملبوس تھے۔ جس کی بے داغ اور بے شکن صفائی صاحبِ لباس کی روح کی آئینہ دار تھی اور دروازے میں کھڑے تھے۔ باری باری سب کا تعارف ہوا۔ انھوں نے مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہر ایک سے مصافحہ فرمایا اور ہم سب کمرے میں جا بیٹھے۔

چلتے وقت ہم اپنی معروضات ایک کاغذ پر لکھ کر ساتھ لیتے گئے تھے۔ کیونکہ ایک بزرگ کا خیال تھا کہ ہم قائداعظم کے سامنے شاید پوری طرح لب کشائی نہ کر سکیں۔ لیکن کمرے کا ماحول اور قائداعظم کا اندازِ ملاقات کچھ ایسا تھا کہ سب سے پہلے انھی بزرگ نے بولنے کی جرأت کی اور کہا: "قائداعظم دیکھئے! میرے بٹنوں میں آپ کی تصویر ہے۔ ہمارے دلوں میں آپ کی تصویر ہے اور آج ہم آپ کو نہ صرف قریب سے دیکھ رہے ہیں بلکہ آپ سے باتیں بھی کر رہے ہیں۔" مگر اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے جیسے اُن پر جادو سا ہو گیا ہے اور یہ طلسم آخر تک قائم رہا۔ ہم نے معروض کا کاغذ پیش کر دیا۔

قائداعظم نے اُسے اپنا تاریخی چشمہ ( monocle ) لگا کر پڑھا، پھر تہ کر کے میز پر رکھ لیا، کچھ تھکے سے ہو کر کرسی کی پشت سے کمر لگائی اور دھیمی دھیمی آواز میں اپنائیت کے لہجے میں

کہنے لگے: "میں آپ لوگوں کے دلوں کی کیفیت سے آگاہ ہوں۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ میرے باپ کو مرے ہوئے عرصہ گزر چکا لیکن اب بھی جب کبھی اُن کی یاد آجاتی ہے تو میں غمگین ہوجاتا ہوں زندگی مجھے اداس اداس اور رائیگاں معلوم ہونے لگتی ہے۔ آپ لوگوں کے عزیز و اقارب، ماں باپ، بہن بھائی، بچے اور عورتیں آپ کی آنکھوں کے سامنے، یا پسِ پشت وحشیانہ طور پر قتل ہوئے۔ مجھے اس غم کا اندازہ ہے۔ موت خواہ ایک مَرد کی ہی کیوں نہ ہو ایک عظیم حادثہ ہوتی ہے اور پھر ایسی موت ........"

وہ خاموش ہوگئے۔ اُن کی آواز بتدریج دھیمی ہوتی چلی آئی تھی، آخری الفاظ سرگوشی معلوم ہوتے تھے۔

ایک، دو منٹ خاموش رہنے کے بعد پھر کہنے لگے: "مجھے اپنی جان کی کوئی فکر نہیں۔ مجھے ایک دن مرنا ہے۔ جب میں دہلی سے کراچی پہنچا تو ہوائی اڈے پر میرے استقبال کے لیے عوام و خاص سبھی موجود تھے۔ میں جہاز سے اُترا تو معززین نے مجھے ہار پہنائے اور مجھ سے ہاتھ ملائے ابھی میں اُن سے ہاتھ ملا ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ لاکھوں آدمی اڈے کے ارد گرد دھکڑے نعرے لگا رہے ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پولیس بڑی مشکل سے انھیں روکے ہوئے ہے۔ میں خواص کو وہیں چھوڑ کر اُن لوگوں کی طرف چلا۔ میرے دوستوں نے مجھے بہت روکا کہ معلوم نہیں اِن میں کون دوست ہے کون دشمن انھیں اندیشہ تھا کہ مبادا کسی دشمن کا ہاتھ پاکستان کو یتیم کردے۔ انھوں نے کہا آپ کی زندگی ملک و قوم کی امانت ہے آپ اِس طرح نہ جائیے۔ لیکن یہ باتیں مجھے نہ روک سکیں۔ عوام مجھے ملنے آئے تھے۔ میں انھیں ملے بغیر کیسے لوٹا دیتا! میں نے کہا یہ عوام میرے بہت گہرے دوست ہیں۔ یہ اپنی جان پر کھیل کر بھی مجھے میرے دشمنوں سے بچائیں گے۔ اور اُن کے پاس جا پہنچا۔ مجھے عوام پر اعتماد ہے مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ تم یہ سب کچھ سہہ لوگے"۔

وہ پھر خاموش ہوگئے۔ ایک عجیب قسم کی خاموشی کمرے میں تیر سی رہی تھی۔ سانسوں کی آواز بھی کچھ اجنبی سی معلوم ہو رہی تھی اور میں کرسی پر نیم دراز نیم وا آنکھوں والی شخصیت کے چاندی جیسے بالوں کو دیکھ رہا تھا جن میں ابھی تک چمک بھی تھی اور نرمی بھی۔

پھر قائداعظم تن کر کرسی پر بیٹھ گئے اور اُن کے بدلے ہوئے لہجے، آواز کی کڑک، آنکھوں کی چمک اور انگشتِ شہادت کی حرکت نے ہمیں بتایا کہ وہ رقیق القلب انسان، جس کی جھلک ہم نے چند لمحے پہلے دیکھی تھی، روپوش ہو چکا ہے۔ اب جناح، رہنما سرد اور منطقی جناح بول رہا ہے۔

ملاقات تقریباً ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی۔ اس دوران میں سیاست موجودہ و گذشتہ، اور مسلم لیگ کے راہ نما اور نہ جانے کیا کیا زیر بحث آیا۔ جس صفائی اور جس دیانتداری سے انھوں نے سب لوگوں کی بابت اپنے خیالات کا بے لاگ اظہار کیا وہ اُن کے غیر فانی فقروں "مجھے عوام پر اعتماد ہے، مجھے تم پر اعتماد ہے"، کی تصدیق تھی۔ مجھے اُس وقت اپنے ایک مسلم لیگی دوست کی بات یاد آئی کہ قائداعظم اپنے مشیروں کی بات بھی اتنی توجہ سے نہیں سنتے جتنی توجہ سے وہ عوام کے خط پڑھتے ہیں۔
ہمیں اپنی معروضات کا تسلی بخش جواب ہی نہیں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ مل گیا۔ جب رخصت ہونے لگے تو قائداعظم نے فرمایا: "دیکھو! میں تمھیں بھی ایک بات کہتا ہوں جو آپ لوگ اپنے ساتھیوں اور ملنے والوں سے میری طرف سے کہیئے۔ تم جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو جو کام تمھیں سپرد کیا گیا ہے۔ اُسے دیانتداری اور محنت سے کرو۔ اگر ہر شخص اس پر عمل کرے تو انشاء اللہ پاکستان کا مستقبل درخشاں ہے۔"

## تصویرِ عزم

راجہ غضنفر علی

جمعۃ المبارک کا دن اور جولائی کی ۳۰/ تاریخ تھی جب میں اپنے محبوب قائد کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی دعائیں لینے کے لیے کوئٹہ سے زیارت کی جانب روانہ ہوا۔ زیارت کوئٹہ سے ۹۴ میل کے فاصلہ پر لورالائی کی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اِس لیے میں نے یہ سفر موٹر سے طے کیا۔ اُس وقت میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ مجھے اِس بات کا یقین آسکتا تھا کہ میں قائداعظم سے آخری ملاقات کرنے اور اِس عظیم ہستی کے دیدار سے آخری مرتبہ مشرف ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔
دو گھنٹے اونچے نیچے پہاڑی راستوں سے گذرنے کے بعد میری موٹر زیارت پہنچی۔ اُس وقت ایک بجا تھا۔۔۔ قائداعظم ریذیڈنسی میں قیام فرما تھے۔ وہاں کا ماحول بڑا پُر سکون اور متانت

لیے ہوئے تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے قائدِ اعظم کی صحت و تندرستی کا حال معلوم کیا۔ بتایا گیا کہ انھیں انفلوئنزا کی شکایت تھی۔ مگر اب شفایاب ہو چکے ہیں اور صحت روز بروز بہتر ہوتی چلی جارہی ہے۔

قائدِ اعظم اُس وقت آرام فرمارہے تھے اور اُن کی آنکھ لگ گئی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح صاحبہ نے مجھے سامنے کے کمرے میں بٹھا دیا۔ آپ شبانہ روز قائدِ اعظم کی خبرگیری کر رہی تھیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹروں کی رائے تو یہ تھی کہ قائدِ اعظم آپ سے ملاقات نہ کریں۔ لیکن خود قائدِ اعظم نے اِس پر اصرار کیا اور کہا کہ مَیں غضنفر علی خاں سے اُن کے ایران روانہ ہونے سے قبل ضرور ملوں گا۔ یہ بتانے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح نے مجھے ہدایت کی کہ اِن حالات میں آپ ملاقات کو طول نہ دیں۔ اور اگر ممکن ہو تو بس دو تین منٹ ہی میں باہر آجائیں۔

کچھ دیر بعد انھوں نے قائدِ اعظم کے کمرے کے اندر جھانکا اور مجھے اشارہ کیا کہ اندر چلے آؤ، وہ نیند سے بیدار ہو چکے ہیں۔ میں کمرے میں داخل ہوا۔ قائدِ اعظم پلنگ پر بیٹھے تھے۔ مگر نقاہت کی وجہ سے انھوں نے سہارے کے لیے کئی تکیے آس پاس رکھ چھوڑے تھے۔ وہ بے حد کمزور نظر آرہے تھے۔ مگر جب میں نے انھیں سلام کیا تو اُسی پُرشکوہ تبسم کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور فوراً مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مجھے اِس پر بڑی حیرت ہوئی کہ اتنی نقاہت کے باوجود اِس قدر مستعدی! جب میں اُن کے قریب بیٹھ گیا تو انھوں نے اپنی نقرئی کھنک والی زوردار آواز میں فرمایا: "میری صحت اب اچھی ہے۔" میں اُن کی حالت کو دیکھتے ہوئے جلد ہی رخصت ہونا چاہتا تھا تاکہ اُن کا زیادہ وقت نہ لوں لیکن انھوں نے اِس کی اجازت نہ دی۔

اِس کے بعد پانچ چھ منٹ تک مجھے سفارتی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں اپنے خاص انداز میں ہدایتیں فرماتے رہے اور میری سرکاری حیثیت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر فرمایا۔

میں جب اُن سے ملاقات کر کے باہر آیا تو میرا دل مسرت سے لبریز تھا۔ آج اِس ملاقات کی یاد میری زندگی کے عزیز ترین اثاثے کا سب سے بیش قیمت عنصر ہے۔

## آخری دن، سرکاری کام

فرخ امین

میری کوشش یہ ہوتی کہ جہاں تک ممکن ہو میں قائداعظم کی خدمت میں نہ جاؤں۔ اس لیے کہ وہ جونہی مجھے دیکھتے تو انھیں کوئی نہ کوئی سرکاری کام یاد آجاتا اور اُس کے متعلق گفتگو شروع کر دیتے۔ ۱۰/ستمبر کو کوئٹہ میں انھوں نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا: "کیا سب کچھ تیار ہے۔ فرض کرو میں آج ہی کراچی جانا چاہتا ہوں۔" کراچی پہنچ کر قائداعظم کو ملیر کے جس مکان میں ٹھہرنا تھا وہاں کے سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ لیکن ہم لوگوں کا خیال تھا کہ ہم ۱۵/ستمبر سے پہلے وہاں نہیں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں۔" اس پر تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا: "کیا مجھے کوئی ضروری کاغذ دکھانا چاہتے ہو؟" میں نے عرض کیا "جی نہیں قائداعظم کچھ نہیں۔" لیکن اس بات نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اُن کی حالت اسقدر نازک ہے پھر بھی اُن کے دل سے مملکت کے کاموں کا خیال نہیں جاتا۔

## سوچ بچار کے عالم میں

محمد حنیف آزاد

سوچ بچار کے عالم میں اُن کو اِدھر اُدھر ٹہلنے کی عادت تھی۔ رات کے سناٹے میں وہ اکثر پختہ اور بے داغ فرش پر ایک عرصے تک ٹہلتے رہتے تھے۔ نپے تلے قدم، اِدھر سے اُدھر ایک فاصلہ، خاموش فضا، جب وہ چلتے تو اُن کے سفید اور کالے یا سفید اور براؤن شوز ایک عجیب قسم کی یک آہنگ ٹک ٹک پیدا کرتے جیسے کلاک معین وقفوں کے بعد اپنی زندگی کی خبر دے رہا ہو۔ قائداعظم کو اپنے جوتوں سے پیار تھا اِس لیے کہ وہ اُن کے قدموں میں ہوتے تھے اور ہر وقت اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔

## مکاتیبِ فکر و عمل

دنیائے اسلام کی دو عظیم الشان شخصیتوں قائداعظم محمد علی جناح اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال کے درمیان باقاعدہ خط و کتابت کا سلسلہ ۱۹۳۴ء میں شروع ہوا اور حضرت علامہ

کے وصال تک جاری رہا۔ اِن خطوط کا موضوع عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ برِعظیم ہند میں ملتِ اسلامیہ کے استقلال کے لیے کون سا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ ....... بدقسمتی سے اقبال کے نام جناح کے خطوط نہ مل سکے۔ وہ سب کے سب علامہ اقبال کی زندگی میں ہی تلف ہوگئے تھے۔ بات یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب، روزمرہ کی ڈاک سننے کے بعد اِس میں جو ضروری خطوط ہوتے اُن کا جواب لکھوا دیا کرتے۔ لیکن اِن خطوط کو محفوظ رکھنے کے متعلق اُن کی کوئی ہدایت نہ تھی۔ چنانچہ مجھے آج انتہائی ندامت کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ قائدِاعظم کے بہت سے خطوط اُس زمانے میں میرے ہاتھوں ہی ردّی کی ٹوکری کی نذر ہوتے رہے ..... اگرچہ قائدِاعظم کے خطوط ضائع ہوچکے ہیں لیکن مجھے اچھی طرح سے یاد رہے کہ وہ اپنے ابتدائی خطوط میں بار بار اِس بات کا اظہار کیا کرتے کہ "میں تو بہت تیز چلنا چاہتا ہوں لیکن قوم کی تنظیمی حالت ایسی نہیں کہ وہ ساتھ قدم بڑھا کر چل سکے"۔ اپنے ایک اور خط میں قائدِاعظم نے لکھا تھا: "اس بات میں کوئی فائدہ نہیں کہ لیڈرشپ تیز چلتے چلتے قوم کے کارواں سے علیحدہ ہو جائے۔ ہمیں ماضی کے واقعات سے سبق لینا چاہیے"۔

## ایک تقریر، دو باتیں

ایم اے حسین

کیمبرج میں انڈین مجلس کے علاوہ ایک دوسری جماعت کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن تھی۔ لیکن یہ ایسوسی ایشن کچھ عرصہ سے خاموش سی تھی۔ جس زمانہ کا حال مَیں لکھ رہا ہوں یعنی ۱۹۳۱ء میں اِسے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہ چیز ہمارے ہندو اور نیشنلسٹ خیال رکھنے والے مسلمان دوستوں کو بہت ناگوار ہوئی۔ اپنے احیا کے بعد ایسوسی ایشن نے سب سے پہلے جلسہ میں مسٹر ایم اے جناح کو دعوت دی اور انھوں نے ہندوستان کے مسئلہ پر تقریر کی۔ دعوت نامے سارے ہندوستانی طالب علموں اور اپنے انگریز دوستوں کے نام بھیجے گئے تھے۔ جتنے آسانی سے ہال میں آسکتے تھے۔ مسٹر جے اے رحیم ایسوسی ایشن کے صدر اور میرے دوست ایم اے کے قزلباش (اب نواب سر مظفر علی خاں قزلباش) سیکرٹری تھے۔ جب مسٹر جناح سے جلسہ میں تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے فوراً قبول کرلی اور جلسہ ہفتہ کے دِن ۶/ جون ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ جلسہ میں مسٹر جناح اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ فرانس کی بنی ہوئی

مشہور قیمتی گاڑی ہسپانو سوئزا میں بیٹھ کر تشریف لائے۔ جن لوگوں نے انھیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہ اُن کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اُن کی خوش پوشی نے انھیں فوراً ہی نوجوان خوش باش طالب علموں کا محبوب بنا دیا۔ طالب علموں کے علاوہ جو علم دوست حضرات جلسہ میں شریک ہوئے اُن کی حیرت کا وقت بعد میں آنے والا تھا۔

مسٹر جناح کی تقریر کوئی گھنٹہ بھر جاری رہی۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے حالانکہ اُن کے "۱۴ مطالبات" نے فرقہ پرست ہندوؤں کے دل میں اُن کی طرف سے ایک کد پیدا کر دی تھی۔ لیکن اُن میں اکثر سچے دل سے یہی سمجھتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد اگر کوئی حاصل کر سکتا ہے، تو صرف مسٹر جناح۔ جو چیز ہم سب کے لیے بے حد بصیرت افروز تھی وہ ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق اُن کا گہرا تجزیہ تھا اور اب جب کہ میں اُس دن کا تصور کرتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے۔ اَب سے اتنے برس پہلے کی تقریر میں بھی بعد میں آنے والے واقعات کی ایک جھلک موجود تھی اور طویل مدت کے گزر جانے کے باوجود اب تک میرے ذہن میں اس تقریر کے نکات تازہ ہیں۔ مثلاً اِس بارے میں کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک واضح کلچر اور طرزِ زندگی ہے جو انھیں کے لیے مخصوص اور انھیں بے حد محبوب ہے اور اِس لیے اُن کی خواہش ہے کہ ہر آئین میں اُن کے اِس تمدن اور معاشرت کا پورا تحفظ ہو۔ اُن کے قوی دلائل اَب بھی روزِ روشن کی طرح میرے سامنے ہیں۔ انھوں نے اِس بات پر پورا زور دیا تھا کہ اکثریت رکھنے والی سب جماعتیں شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے کلچر کو اقلیتوں کے کلچر پر غالب دیکھنا چاہتی ہیں۔ یہ خطرہ ایسا ہے جو ساری دنیا کے ملکوں کو یکساں طور پر لاحق ہے۔ اور اِسی لیے ہر آئین میں سیاسی، سماجی اور مذہبی معاملات میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ایک لازمی چیز ہے۔

دوسری اہم بات جو جناح صاحب نے اِس موقع پر کہی تھی یہ تھی کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات بھی اکثریت رکھنے والی قوم کے دِل میں مسلمانوں کی طرف سے بے اعتباری پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ رویہ مناسب نہیں۔ اِس موقع پر انھوں نے مصر کے زاغلول پاشا کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس میں زاغلول پاشا نے اپنے ایک صحیح عمل سے قبطی اور مصری مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ واقعہ یوں

تھا کہ زاغلول پاشا قبطی لیڈروں کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اپنے مطالبات ایک کاغذ پر لکھ دو۔ قبطیوں نے اپنے مطالبات لکھ دیئے۔ زاغلول نے اِن مطالبات کو پڑھے بغیر انھیں لوگوں کے سامنے اِس کاغذ پر دستخط کر دیئے۔ اِس بات نے قبطیوں پر بڑا اثر کیا اور اعتبار اور بھروسے کے اِس معمولی سے عمل نے مصر کی اِس موجودہ قوم کو ایک متحد قوم بنا دیا۔ اِس کے برخلاف ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے کوئی سودا کرنے اور سودے پر جھگڑنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسئلہ کو حل کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر بھروسا کریں۔

جناح صاحب نے پورے مسئلہ کو اِس قدر وضاحت اور منطقی انداز سے پیش کیا کہ کیمبرج کے وہ نوجوان بھی جنھیں عموماً اپنی قابلیت کا پندار ہوتا ہے اُن سے کوئی الٹا سیدھا سوال نہ کر سکے۔ اِس طرح جناح صاحب کی ذات کی بدولت کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ بے حد کامیاب رہا۔

## ہم نے ایک سازش کی

ممتاز حسن احسن

چونکہ لندن کا سفر محض سیاسی تھا۔ اِس لیے قائدِ اعظم کا وقت زیادہ تر سیاسی گفتگوؤں اور برطانیہ کے سیاسی لیڈروں سے ملاقاتوں میں صرف ہوا۔ کبھی کبھی وہ تھیٹر بھی تشریف لے جاتے یا ایک آدھ مرتبہ بازار پیدل گئے جس کی وجہ سے اُن کے محافظ پولیس کے سپاہیوں کو کافی تشویش ہوئی۔ برطانیہ گورنمنٹ نے دو اعلیٰ موٹر کاریں قائدِ اعظم اور لیاقت علی خاں صاحب کے لیے مخصوص کر رکھی تھیں۔ اور دو سکاٹ لینڈ کے سپاہی بھی حفاظت پر مامور تھے۔ میں نے اور خورشید صاحب نے سازش کی اور ایک کار اپنے استعمال میں لے لی اور جب وقت ملتا اُن میں لندن کی سیر کر آتے۔ اِس کے علاوہ بڑا کمال یہ کیا کہ اِن دو سپاہیوں میں سے ایک کو اپنی مشاورت اور رہبری کے لیے لے لیا تاکہ ہمیں سیر میں مدد دے۔ قائدِ اعظم کی خدمت میں جب ہم نے اُن کی اطلاع کے لیے اِس بندوبست کا تذکرہ کیا تو انھوں نے ایک مشفقانہ مسکراہٹ سے ہمیں دیکھا اور ہم نے سمجھا کہ معاملہ ٹھیک ہو گیا۔

## دوسروں کے دکھ درد کا احساس

فرخ امین

حالانکہ گورنر جنرل ہونے کے بعد قائد اعظم نے ایک لمحہ بھی آرام نہیں کیا اور آخر اُن کی یہ کثیر الاشغالی اُن کی موت کا باعث بنی لیکن پاکستان کے قیام کے بعد کے دو ابتدائی مہینے اُن کے لیے انتہائی مصروفیت اور پریشانی کے مہینے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو بے دردی سے تہ تیغ کیا جا رہا تھا اور مغربی پنجاب کی حکومت کو یکایک مہاجرین کے سخت اور زبردست مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ حکومت کے قدم متزلزل تھے اور یہ اندیشہ تھا کہ پاکستان اپنے قیام کی پہلی ہی منزل میں ختم ہو جائے۔ قائد اعظم نے اُس زمانہ میں جانفشانی سے کام کیا اور تزلزل کے اِس اندیشہ ناک دور میں اُن کی آواز کی یہ گرج کہ "پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے" لوگوں کے لیے سہارا بنی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان مستحکم ہو گیا اور مستحکم رہے گا لیکن آزمائش کے اِس دور کی قائد اعظم کو بہت بڑی قیمت دینا پڑی۔ اُن کی صحت خراب ہو گئی۔ بعض لوگ قائد اعظم کے متعلق کہتے تھے کہ دوسروں کا دُکھ درد محسوس نہیں کرتے۔ یہ بے شک صحیح ہے کہ وہ فکر اور اندیشہ کے ایسے موقعوں پر بھی جب دوسروں کے کمزور اعصاب پر جذبات کا غلبہ ہو جاتا وہ سکون اور توازن کو قائم رکھتے۔ اپنی پریشانی ظاہر کر کے دوسروں کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اُن کا باطن اِن حالات سے درد و کرب میں مبتلا تھا۔ اُس زمانہ میں مَیں نے انھیں دو ایک بار رات کی خاموشیوں میں سونے کے کمرے میں مضطربانہ ٹہلتے دیکھا ہے۔

## اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا سیکھو

روزنامہ 'نوائے وقت'

سر سکندر کے اِنتقال کی وجہ سے اسمبلی کا ضمنی انتخاب درپیش تھا۔ گورنر گلانسی نے نوجوان کیپٹن شوکت حیات کو فوج سے بلا کر جلیل القدر باپ کی جگہ وزیر تو مقرر کر دیا تھا مگر اسمبلی کی ممبری کے لیے انتخابی مرحلہ میں سے گزرنا ضروری تھا۔ اِس ضمنی انتخاب میں لیگ کے ٹکٹ کے لیے تین اُمیدوار تھے۔ سردار شوکت حیات، ملک محمد اکرم خاں اور سید احمد شاہ۔ ملک صاحب کو اُن کے دوستوں نے مشورہ دیا

کہ صوبہ کی ورکنگ کمیٹی آپ کو ٹکٹ نہیں دے گی۔ اِس لیے آپ درخواست نہ دیجیے اور آزادانہ مقابلہ کیجیے۔ چنانچہ انھوں نے درخواست نہ دی اور کمیٹی کے سامنے صرف دو درخواستیں آئیں۔ ایک سردار شوکت حیات کی دوسری میر احمد شاہ صدر ضلع مسلم لیگ کیمبل پور کی۔ قائداعظم نے صدر صوبہ مسلم لیگ خان افتخار حسین کو لکھا کہ آپ کسی کو میرے پاس دہلی میں بھیج دیجیے تاکہ اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی گفتگو ہو جائے۔ راقم حروف کو قائداعظم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنی اپنی عادت کے مطابق کرید کرید کر تمام جزئیات معلوم کیں اور پھر سخت جرح کی تاکہ کوئی گوشہ اُن کی نظر سے مخفی نہ رہ جائے۔ آخر میں انھوں نے انگریزی میں پوچھا:۔

"What is wrong with Ahmed Shah?" (احمد شاہ میں کیا خرابی ہے)

عرض کیا کہ اِس کے سوا کوئی خرابی نہیں کہ غریب آدمی ہیں ورنہ لیگ کے بہت پرانے اور بے حد مخلص کارکن ہیں۔

قائداعظم نے انگریزی میں فرمایا: "Then he is the proper man for you" (تو آپ کے موزوں آدمی وہی ہیں)

عرض کیا پھر میں آپ کا یہ حکم نواب ممدوٹ کو پہنچا دوں۔ قائداعظم نے فرمایا: "نہیں یہ حکم نہیں ہے۔ میں اِس معاملے میں حکم نہیں دے سکتا۔ یہ میری رائے ہے۔ فیصلہ کرنے کی مجاز تمھاری ورکنگ کمیٹی ہے"۔

عرض کیا ورکنگ کمیٹی میں زیادہ تر وزارت کے آدمی ہیں۔ آپ کے ارشاد سے آپ کے وفادار عنصر کو تقویت پہنچے گی۔ قائداعظم کا ایک ایک لفظ راقم الحروف کو اب تک یاد ہے۔ "نہیں، میرے بچّا میں کوئی حکم نہیں دوں گا۔ یہ میری رائے ہے، حکم نہیں کہ اگر لیگ نے احمد شاہ کو ٹکٹ نہ دیا اور شوکت کو ٹکٹ دیا تو وہ گلانسی کی لیگ ہوگی۔ نوجوان ممدوٹ سے کہو کہ اُسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیے"۔

## میں اپنا کام کر چکا ہوں

فرخ امین

قائداعظم کی آخری بیماری کے حالات لوگوں کو عام طور پہ معلوم نہیں۔ ہوا یوں کہ کراچی میں قائداعظم نے کسی طرح بھی سرکاری کام کرنا کم نہ کیا یہاں تک کہ جب ڈاکٹروں کے مشورے سے وہ تبدیلی کے

خیال سے وہ ایک دو دِن کے لیے ملیر جا کر رہتے تو وہاں بھی کام کرنا یا لوگوں سے ملنا بند نہ کرتے۔ انھیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اِس لیے وہ ۲۵ مئی کو کوئٹہ کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن اُسی آرام کے زمانے میں پاکستان اسٹیٹ بنک کا افتتاح کرنے کی غرض سے جون کے آخر میں کراچی تشریف لائے اور یہاں کے مختصر قیام میں اِتنا کام کیا کہ جب وہ بلوچستان واپس پہنچے تو وہ سارے اچھے تاثرات جو ایک مہینے کے آرام سے پیدا ہوئے تھے زائل ہو چکے تھے۔ کام کی زیادتی نے انھیں پھر تھکا دیا تھا۔ وہ بیمار ہو گئے اور محترمہ فاطمہ جناح نے زور دیا کہ باہر سے کسی ماہر معالج کو بُلا لیا جائے لیکن قائدِ اعظم راضی نہ ہوئے اور مس جناح نے اُس زمانہ میں قائدِ اعظم کی دیکھ بھال اور تیمار داری کی خاطر خدا جانے کتنے دن رات اپنے اور قائدِ اعظم کے کمرے کے درمیان آتے جاتے گذارے۔ ایک دِن ڈاکٹر صاحب نے قائدِ اعظم سے کہا: "قائدِ اعظم! جو پاکستان آپ نے اِتنی طویل جد وجہد کے بعد حاصل کیا ہے۔ اُسے مضبوط بنانے کے لیے ابھی دس برس آپ کی ضرورت ہے۔" میں نے سنا ہے کہ ابھی ڈاکٹر صاحب اپنا جملہ بھی پورا نہیں کر سکے تھے کہ قائدِ اعظم نے فرمایا: "میں اپنا کام کر چکا۔ اب مجھے مرنے کا رنج نہیں ہوگا لیکن میں زیارت میں نہیں مرنا چاہتا۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے وہی الفاظ فرمائے جو بعد میں یومِ استقلال کے پیغام میں دہرائے گئے ہیں:-

"آپ کے پاس اب سب کچھ ہے۔ ایک آزاد اور خود مختار ملک، جس میں آپ زندگی کی تشکیل اپنی مرضی کے مطابق کر سکتے ہیں۔ قدرت نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ کے وسائل لامحدود ہیں۔ اب یہ کام نئی نسل کا ہے کہ وہ اپنے ملک کی تعمیر کرے اور اُسے مضبوط بنائے۔"

## جنٹلمین، یونٹی!

زیڈ اے سلیری

جب تحریکِ پاکستان اوج پر پہنچی اور اُس کا اثر و نفوذ پھیلا تو لندن کے مسلمانوں کو بھی اپنی تنظیم کا خیال آیا۔ کچھ طلبا نے مسلم لیگ کا نام لینا شروع کیا۔ عباس علی بھی اِن طلبا میں سے تھے (وہ بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے) چونکہ تحریکِ پاکستان خبروں کا موضوع بن چکی تھی جن طلبہ نے مسلم لیگ کی حمایت

میں بیان دیا وہ چھپنا شروع ہو گیا۔ بیان جو چھپے تو ان طلبہ کو اہمیت حاصل ہونی شروع ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروپ نے مسلم لیگ کی ایک عدد شاخ قائم کر لی اور اب اس بات پر جوتم بیزار ہو رہی تھی کہ بڑا صدر کون ہے اور چھوٹا کون۔ جنرل سیکرٹری کون ہے تو پبلسٹی سیکرٹری کون۔ لندن میں عباس علی پیش پیش تھے تو گلاسگو میں ایک صاحب محمد علی۔ پڑھے لکھے مسلمان لڑ رہے تھے لیکن اَن پڑھ مسلمان مسلم لیگ کے ہر جلسے کی رونق بڑھاتے اور گاڑھے پسینے کی کمائی کو جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے۔۔۔۔۔۔۔

میری کوشش یہی تھی کہ سب مسلم لیگیوں سے مل کر زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کا کام کیا جائے۔ جلسے کئے جائیں، جلوس نکالے جائیں۔ مزے کی بات یہ کہ جلسے اور جلوس تو خاصے برپا ہوئے لیکن ساتھ ہی ساتھ مسلم لیگ کی تعداد میں اور اس کے عہدے داروں کی گنتی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس عمل کا ایک عجب یادگار نتیجہ نکلا جب دسمبر ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم، نہرو، سردار بلدیو سنگھ لارڈ ویول کی معیت میں برطانوی کابینہ کے زونل سکیم کی صحیح ترجمانی پر مذاکرات کے لیے آئے تو مسلم لیگیوں نے مجھ سے کہا کہ اُن کے لیے قائد سے ملاقات کا بندوبست کر دوں۔ میں نے قائد سے وقت لے لیا۔ وقت شام پانچ بجے کا مقرر ہوا۔ میٹنگ کلیرجز (Claridges) ہوٹل میں ہونی تھی جہاں قائد اعظم حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ٹھہرائے گئے تھے۔ ملاقات کے لیے ہوٹل کے ہال میں ایک جگہ متعین ہوئی۔ چونکہ ملنے والے تیس کے قریب تھے۔ اُتنی ہی کرسیاں ڈلوا دی گئیں۔ میں نے قائدِ اعظم کے کمرے میں جا کر انھیں اطلاع دی کہ ملاقاتی آ چکے ہیں۔ وہ میرے ساتھ نیچے تشریف لائے پھر میں نے ایک ایک کا تعارف کرانا شروع کیا "مسٹر فلاں، آپ فلاں مسلم لیگ کے صدر ہیں"۔ "مسٹر فلاں آپ فلاں مسلم لیگ کے سیکرٹری ہیں"۔ جب میں نے تیس صدروں اور جنرل سیکرٹریوں کا تعارف کرا دیا جس میں کچھ وقت لگا تھا تو قائد اعظم اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ایک نگاہ پورے مجمع پر ڈالی۔ پھر انگشتِ شہادت اپنے لبوں تک اٹھائی اور فرمایا: "جینٹلمین! یونٹی" (Gentlemen! Unity) یعنی "صاحبو! اتحاد" اپنی نشست سے اُٹھے اور اپنے کمرے کی سیڑھیوں کی جانب چلے۔ میں انھیں کمرے تک چھوڑ آیا۔ واپسی پر ان اصحاب کو ششدر پایا۔ وہ تو بڑی باتیں سوچ کر آئے تھے۔

کچھ لوگوں نے تقریریں بھی ازبر کی ہوئی تھیں لیکن بقول غالب ع پر تماشا نہ ہوا۔ اب وہ ہکا بکا مجھ سے پوچھنے لگے: "یہ کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ بھئی قائدِ اعظم نے بھانپ لیا کہ یہاں جرنیل ہی جرنیل ہیں۔ بھلا انگلستان میں جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی قلیل ہے۔ اِتنے عہدے داروں کی ضرورت! لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بات ان صاحبوں کے حق میں کہوں کہ انھوں نے عہدے ضرور بانٹے لیکن جب کبھی کام کا وقت آیا تو انھوں نے ایک دوسرے سے بلا تامل تعاون کیا خواہ جلسہ کسی مسلم لیگ کا ہو۔ پاکستان کے لیے وہ سو فی صد مخلص اور سچے تھے۔

## صادق و امین کے نقشِ قدم پر

محمد شفیع

جناب یحییٰ بختیار نے ایک موقع پر قائد اعظم کو جب وہ کوئٹہ میں قیام پذیر تھے ان کی ایسی تصویریں دکھائیں جو انھوں نے کھینچی تھیں تو قائد اعظم نے اُن سے اپنی مزید تصویریں کھینچنے کی فرمائش کی۔ یحییٰ بختیار صاحب نے کہا: "قائد اعظم میں تو کوئی اچھا فوٹو گرافر نہیں ہوں۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ میں نے آپ کی تصویریں کھینچی تھیں انھیں السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا' اور ڈان' کو اشاعت کے لیے بھیجا تھا السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا' نے تو انھیں ناقابلِ اشاعت قرار دے کر مجھے واپس بھیج دیا۔ لیکن ڈان' نے اُن کی رسید تک بھیجنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔" قائد اعظم نے جناب یحییٰ بختیار کا عذر مسترد فرما دیا۔ چنانچہ دوسرے روز جناب یحییٰ بختیار صاحب اپنا کیمرہ اور فلیش لے کر قائد اعظم کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ اُس وقت قائد اعظم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ایک کتاب کا جس کا ٹائٹل الحدیث' تھا مطالعہ فرما رہے تھے۔ یحییٰ بختیار صاحب یہ چاہتے تھے کہ وہ قائد اعظم کی تصویر ایسے زاویہ سے لیں کہ کتاب کا ٹائٹل بھی فوکس میں آسکے لیکن قائد اعظم نے تصویر کھنچوانے سے پہلے یہ کتاب علیحدہ رکھ دی اور یحییٰ بختیار خاں صاحب کے اصرار پر فرمایا کہ: "میں ایک مقدس کتاب کو اِس قسم کی پبلسٹی کا موضوع بنانا پسند نہیں کرتا ہوں۔"

قائد اعظم نے اِس موقع پر فرمایا کہ سیاسیات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا ضروری ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو عرب میں ایک طرف یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفت اور دوسری طرف اپنے بھائی بندوں کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی طرح انہیں بھی برعظیم میں ایک طرف عیسائی حاکموں اور یہود صفت ہندؤں اور دوسری طرف اپنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے پناہ دیانت داری سے ایک طرف عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسری طرف قریش کے مقابلے پر کامیابی حاصل کی تھی۔ اُس طرح وہ بھی ایک طرف کانگرس اور انگریز کے گٹھ جوڑ اور دوسری طرف اپنوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف کامیاب ہوں گے اور اس کامیابی کی کنجی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی دیانت داری کا راستہ ہے۔

## کوتاہ نظر مسلمان

نواب صدیق علی خاں

۱۹۴۴ء میں بمبئی میں جناح گاندھی مذاکرات کبھی کبھی دو دو، تین تین دن کے وقفہ کے بعد ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گاندھی جی اکیس ماہ رمضان کو بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ قائدِ اعظم نے بذریعہ اخباری بیان یہ کہہ کر معذرت کردی کہ چونکہ اُس دِن حضرت علیؓ کا یوم شہادت ہے اِس لیے وہ گفت وشنید نہیں کریں گے۔ قائداعظم کا اخباری بیان پڑھ کر مولانا ظفر الملک صاحب نے لکھنؤ سے قائداعظم پر اعتراض کیا کہ شیعہ عقیدے کو مسلمانوں سے منسوب کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اُس زمانہ میں بدنصیبی سے لکھنؤ میں کچھ مسلمان مدح وقدح صحابہ کی تحریک میں دست وگریبان اور ایک دوسرے پر گندگی اچھال رہے تھے۔ قائداعظم جس دن سے ہز ہائی نس آغاخاں کی امامت سے منکر ہوئے اُس دِن سے انھوں نے تادمِ مرگ ایک اچھے اور حقیقی مسلمان کی حیثیت سے خود کو ایسی بلندی پر رکھا جہاں کسی بھی عقیدہ کا گزر نہیں تھا۔ انھوں نے مولانا کو اپنے روایتی انداز میں مختصر سا جواب یہ کہہ کر دیا: "مجھے علم نہیں تھا کہ آپ جیسے کوتاہ نظر مسلمان ہنوز موجود ہیں۔ یہ صرف شیعہ عقیدہ کا سوال نہیں حضرت علیؓ خلیفہ چہارم تھے۔ رمضان کی اکیس تاریخ کو بے شمار شیعہ وسُنّی مسلمان بلا لحاظ عقائد یومِ شہادت مناتے ہیں۔" (نواب صدیق علی خاں)

## مانگے کے سگریٹ تازگی کھو بیٹھے

کرنل الٰہی بخش

سگریٹ کے متعلق باتیں کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ وہ کریون اے پسند کرتے ہیں۔ لیکن اُن دنوں وہ سگریٹ کوئٹے میں دستیاب نہ تھے۔ میں سٹیٹ ایکسپریس ۵۵۵ کو ترجیح دیتا تھا۔ اتفاق سے میرے پاس اُن کے پسندیدہ سگریٹ کے ڈبے بھی تھے جو میں نے اُس وقت پی ڈالے جب میرا اپنا برانڈ مارکیٹ میں موجود نہ تھا۔ میں نے انھیں یہی سگریٹ بھیجنے کی پیش کش کی۔ انھیں کثرت سگریٹ نوشی سے محفوظ رکھنے کے لیے مجھے خیال آیا کہ شروع میں صرف ایک ڈبہ بھیجوں اور جب میں انھیں شام کے وقت ملا تو اُن سے دریافت کیا کہ آیا یہ سگریٹ تازہ ہیں۔ انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ یہ تازہ ہیں۔ لیکن اگلی صبح انھوں نے اُن کے باسی پن کے متعلق شکایت کی اور پوچھا کہ آیا اُن کے لیے لاہور سے سگریٹ منگوا سکتا ہوں۔ میں نے ایسا کرنے کی ذمہ داری لے لی لیکن حیران ہوا کہ اتنی جلدی سگریٹ اپنی تازگی کیسے کھو بیٹھے لیکن جلد ہی بعد مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ قائدِاعظم جیسا محتاط شخص میرے زیرِ بار نہیں رہنا چاہتا تھا اور یہ اُن کی خصوصیت تھی کہ وہ بغیر پیسے ادا کیے کسی سے کوئی چیز نہ لیتے تھے۔

## خلوص کی خاطر

فرخ امین

قائدِاعظم اپنے خیالات اور عقائد کے معاملہ میں بڑے راسخ تھے۔ وہ صرف ایک مملکت کے گورنر جنرل ہی نہیں بلکہ قوم کے قائدِاعظم بھی تھے اور جانتے تھے کہ قوم کے لیے کیا چیز سب سے اچھی ہے اور گو میں اُن کا اَدنیٰ خادم تھا وہ ہمیشہ میرے نقطۂ نظر کو سنتے اور اپنا خاصا وقت صرف کر کے مجھے میرے خیال کی کوتاہیوں سے آگاہ کرتے۔ وہ عموماً معاملات کا فیصلہ خاصے سوچ بچار کے بعد کرتے لیکن ہمارے خلوص کی قدر دانی کی خاطر کبھی کبھی ہماری بات مان کر اپنے فیصلے میں تبدیلی بھی فرما لیتے۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ مئی ۱۹۴۸ء میں وہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کے افتتاح کے لیے کاکول تشریف لے جانے والے تھے کہ اُن کی طبیعت ناساز ہو گئی لیکن وہ جانے پر مصر تھے۔ نہ صرف

اِس لیے کہ وہ وہاں جانے کا فیصلہ فرما چکے تھے بلکہ اِس لیے بھی کہ انھیں اپنے کسی سرکاری پروگرام میں تبدیلی کرنا بے حد ناگوار ہوتا تھا۔ لیکن ہم سب کا خیال تھا کہ انھیں وہاں نہیں جانا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے ہماری بات مان لی اور آخری وقت کا کول جانے کا خیال ترک فرما دیا۔

## انگور میٹھے ہیں

کرنل الٰہی بخش

مجھے یاد ہے کہ جب میں ۶ راگست کے روز لاہور سے واپس آیا تو بیگم محمد اکبر خاں نے کوئٹے میں مجھے کچھ انگور دیئے کہ میں قائداعظم کو پیش کروں۔ آپ نے انگور بہت پسند فرمائے اور دریافت کیا کہ میں نے یہ کہاں سے خرید گئے۔ میں نے بتایا کہ یہ بیگم محمد اکبر خاں نے بھیجے ہیں اور اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ روزانہ بھیجنے کو تیار ہے۔ آپ نے بیگم کے اِس طرزِ عمل کی تعریف کی اور بڑے احسن طریقے سے مزید انگور لینے سے انکار کر دیا۔

## ایک تحفہ

سر عبد القادر

ایک دلچسپ بات جو مَیں نے مرحوم سے سنی سنانے کے قابل ہے۔ ۱۹۴۳ء میں مجھے کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا۔ قائداعظم بھی اُن دِنوں وہاں مقیم تھے اور اُن کے اعزاز میں پارٹیاں اور جلسے ہو رہے تھے ایک دِن ایک بڑی پارٹی چائے کی ہو رہی تھی۔ میں قائداعظم والی میز پر تھا۔ وہاں کچھ ذکر اُن ملاقاتوں کا آگیا جو اِس سے پہلے قائداعظم اور لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند میں ہوتی رہی تھیں۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دِن وائسرائے نے اُن سے یہ کہا کہ اگر وہ یہ ضد چھوڑ دیں کہ پاکستان بننا چاہیے اور مسلمان علیحدہ قوم تسلیم کئے جانے چاہییں تو وہ فریقِ ثانی کو مائل کر سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو بہت سی مراعات دے۔ قائداعظم نے کہا کہ اس کا جواب وہ آئندہ ملاقات میں دیں گے۔ جب چند روز بعد پھر اُن کی ملاقات کا دِن آیا تو قائداعظم ایک چیز اپنی جیب میں ڈال کر وائسرائے کے ہاں گئے۔ وہ چیز تھی پاکستان کا نقشہ جس میں وہ صوبجات جن میں مسلمانوں کی آبادی کثرت سے تھی۔ سبز رنگ سے دکھائے گئے تھے۔ یہ نقشہ ایک گیارہ سال کی لڑکی نے ریشمی رومال پر سوزن کاری سے کاڑھا تھا۔ قائداعظم نے وائسرائے کو بتایا کہ یہ لڑکی ایک پرانی وضع کے مسلمان گھر میں روہیل کھنڈ میں پیدا ہوئی۔ گھر میں پردہ کی سخت

پابندی تھی اس لیے یہ لڑکی کسی مدرسے میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجی گئی۔ اُس نے نہایت محنت سے یہ نقشہ بنایا اور اُس کی آرزو تھی کہ یہ نقشہ خود قائداعظم کی خدمت میں پیش کرے۔ جب قائداعظم دورہ کرتے ہوئے۔ اس شہر میں پہنچے جہاں یہ لڑکی رہتی تھی۔ تو اُس کا باپ قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے یہ درخواست کی کہ وہ کچھ وقت نکال کر اُن کے ہاں چلیں جہاں یہ لڑکی یہ تحفہ اُن کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہے۔ قائداعظم نے باوجود کثرتِ مصروفیات کے اُس لڑکی کی درخواست کو منظور کیا اور اس کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں اُس کے ہاتھ سے تحفہ قبول کیا۔ اور اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔ جب انھوں نے یہ نقشہ وائسرائے کو دکھایا تو وہ بنانے والی کی دستکاری کی تعریف کرنے لگا۔ قائداعظم نے جب اس لڑکی کی عمر بتائی اور اُس کی گھریلو زندگی کا حال سنایا تو اُسے بہت تعجب ہوا تو اس پر قائداعظم نے وائسرائے سے کہا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ وہ پاکستان مانگیں۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ خیال اس وقت کے تو خیز بچے کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے اور میں جب اس پر زور دیتا ہوں تو فقط اپنی قوم کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہوں۔ قائداعظم فرماتے تھے کہ لارڈ لنلتھگو اس نقشے سے بہت متاثر ہوئے اور ان پر واضح ہو گیا کہ پاکستان کا تخیل پردہ والی عورتوں اور چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دلوں میں پہنچ گیا ہے، اور اب یہ خیال بدلا نہیں جا سکتا۔

## جناح کا اوباش بھائی

محمد حنیف آزاد

جناح کا ایک بھائی تھا جس کی مدد وہ باقاعدہ کرتے تھے مگر اُس کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

قائداعظم کے بھائی کو میں نے بمبئی میں دیکھا ہے۔ سیوائے بار میں ایک شام کو میں نے دیکھا۔ کہ قائداعظم کی شکل و صورت کا ایک آدمی آدھا رم کا آرڈر دے رہا ہے۔ ویسا ہی ناک نقشہ، ویسے ہی الٹے کنگھی کئے ہوئے بال، قریب قریب ویسی ہی سفید لٹ۔ میں نے کسی سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مسٹر محمد علی جناح صاحب کا بھائی احمد علی ہے۔ میں بہت دیر اُس

کو دیکھتا رہا۔ رم کا آدھا پیگ اُس نے بڑی شان سے آہستہ آہستہ لبوں کے ذریعے چوس چوس کر ختم کیا۔ بل جو ایک روپے سے کم تھا یوں ادا کیا جیسے ایک بہت بڑی رقم ہے اور اُس کی نشست سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بمبئی کی ایک گھٹیا بار کے بجائے تاج محل ہوٹل کے شراب خانے میں بیٹھا ہے۔

گاندھی جناح کی تاریخی ملاقات سے کچھ دیر پہلے بمبئی میں مسلمانوں کا ایک تاریخی اجتماع ہوا۔ میرے ایک دوست اِس جلسے میں موجود تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ قائدِ اعظم پلیٹ فارم پر اپنے مخصوص انداز سے تقریر کر رہے تھے اور بہت دُور اُن کا بھائی احمد علی آنکھ پر مونوکل لگائے کچھ اِس انداز سے کھڑا تھا جیسے وہ اپنے بھائی کے الفاظ دانتوں تلے دبا رہا ہے۔ (محمد حنیف آزاد)

## گلاب کے سبز پھول

کرنل الٰہی بخش

مجھے ایک اور واقعہ یاد ہے۔ ایک دِن میں جنرل محمد اکبر خاں کے ہمراہ ایک پرائیویٹ باغ میں گیا۔ وہاں مجھے گلاب کے سبز پھول دکھائے گئے۔ اِس قسم کے پھول میں نے پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ جنرل صاحب نے کچھ پھول توڑ کے مجھے دیئے اور کہا کہ میں قائدِ اعظم کو پیش کروں اور اُن سے دریافت کروں کہ اگر انھیں یہ یا دوسری قسم کے پھول پسند ہوں تو میں انھیں روزانہ بھیج دیا کروں گا۔ آپ نے شکریے کے ساتھ پھول قبول کر لیے لیکن کہا کہ میں جنرل صاحب کو روزانہ پھول بھیجنے کی زحمت نہیں دینا چاہتا۔

## وزارتِ خارجہ سے بات کریں

چوھدری نذیر احمد خان

آر الیس مہاتا کراچی کے ایک مشہور صنعت کار اور قائدِ اعظم کے دوست تھے۔ انھوں نے ساحلِ سمندر پر اپنی بیمار بیوی کے لیے ایک مکان تعمیر کروایا تھا جہاں قیامِ پاکستان کے بعد وزارتِ خارجہ کا دفتر قائم ہوا۔ مسٹر مہاتا اِس مکان کو خالی کرانا چاہتے تھے اور اِس سلسلے میں ہر کوشش کر رہے تھے۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل ہاؤس میں دی گئی پارٹی میں وہ بھی شریک تھے۔ قائدِ اعظم تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لائے۔ مسٹر مہاتا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سامنے ہی کھڑے تھے۔ قائدِ اعظم اُن سے جا کر ملے اور باتیں کیں۔ مسٹر مہاتا نے موقع مناسب جانا اور مہاتا پیلس کی واگذاری کے لیے اُن سے

مداخلت کرنے کو کہا۔ مسٹر مہاٹا ایک بہت بڑے صنعت کار ہی نہیں تھے، جن کی اُس وقت پاکستان کو ضرورت تھی، قائدِاعظم کے دوست بھی تھے۔ قائدِاعظم نے صاف جواب دے دیا کہ میں آئین اور دستور کے تحت ایسی کوئی مداخلت نہیں کر سکتا، آپ وزارتِ خارجہ سے بات کریں۔ مسٹر مہاٹا نے بہت زور مارا لیکن قائدِاعظم کا ایک ہی جواب تھا۔

## ایک، دس پر بھاری!

شیخ عبدالقادر

جب لارڈ ویول کے زمانے میں شملہ میں کانگرس اور لیگ کے درمیان کسی ممکن سیاسی سمجھوتے کے لیے بات چیت ہو رہی تھی اُس وقت میں بھی حُسنِ اتفاق سے شملہ گیا ہوا تھا۔۔۔ جو غیر مساوی سیاسی مقابلہ شملے کی اِس کانفرنس کے موقع پر ہوا اُس جیسی نمائش پہلے نہ ہوئی تھی۔ اس نمائش کا یہ پہلو خاص طور پر قابلِ دید تھا کہ ایک طرف گاندھی جی اپنے مہاتمائی لباس میں ملبوس اور اپنے بے شمار پیروؤں کے جگھٹے کے ساتھ، شملے میں پہنچے اور مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت صدر کانگرس تشریف لائے۔ یوپی کے وزیرِاعظم مسٹر پنت اُن کے ترجمان کی حیثیت سے ہمراہ آئے۔ گاندھی جی راجکماری امرت کور کے دولت کدہ میں فروکش ہوئے۔ یہ مکان اپنے ممتاز مکین کی طرح خصوصیت رکھتا تھا یعنی وہ خاتون کھدر کے لباس میں ملبوس، کیمبرج اور آکسفورڈ کی بہترین انگریزی بولتی تھی اور اُس کی لباس کی سادگی کے باوجود اُس کے کمرے زینت اور آرائش مشرقی اور مغربی دونوں سجاوٹوں کے نمونے دکھاتی تھی۔ کانگرس کی اور بڑی شخصیتیں بھی بڑی تعداد میں اِس موقع کے لیے شملہ میں جمع تھیں اور وہ سب لوگ راجکماری صاحبہ کے یہاں اکثر صلاح ومشورے میں شریک ہوتے۔ اِس انبوہ کے مقابلہ میں، لیگ کی طرف سے قائدِاعظم ہوٹل کے ایک کمرے میں متمکن تھے۔ اُن کی اپنی خداداد چمک کے سوا کوئی چمک دمک کا سامان اُن کے ہمراہ نہیں تھا۔ گویا ایک دبلا پتلا شخص، الف کی طرح سیدھا، یکہ وتنہا ایک گروہ کا سامنا کرنے پر مامور تھا۔ ایک اور چیز جو کانگرس کے حق میں پلڑا جھکانے کا باعث تھی وہ کانگرس کے پریس کی طاقت تھی۔ اِس جماعت کے سب بڑے بڑے اخباروں نے اپنے نمائندے اِس کانفرنس میں بھیجے تھے۔ اور وہ اپنا پورا توپ خانہ لیگ اور مسلمانوں کے خلاف اور کانگرس کے حق میں استعمال کر رہے تھے

# عظیم فن کار

اُن کیں دنیا سے، دنیا والوں کی رائے سے، دنیاوی علائق سے فنکاروں کی سی بے نیازی تھی، اور تخلیق کے لیے جس صبر و استقلال اور مسلسل کاوش کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی موجود تھی۔ ایک بڑے فنکار کی طرح انھیں معلوم تھا کہ تخلیق اور شخصیت میں کتنا فصل ہونا چاہیے۔ ذاتی زندگی میں انھوں نے اپنے اوپر جو تنہائی مسلط کر لی تھی اُس کی مثال ادب اور فلسفے کی دنیا سے باہر مل ہی نہیں سکتی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انھیں جینے کے لیے بس ایک عظیم تصور ہی کا سہارا کافی تھا۔ جب میں جناح کی ذاتی زندگی کا نقشہ ذہن میں جمانا چاہتا ہوں تو ایسا نظر آتا ہے جیسے کوئی عظیم سنگ تراش، اَن گھڑے اور بے ڈول مادے کو کاٹ چھانٹ کر ایک نئی اور بے مثال ہیئت تخلیق کرنے کی دھن میں کھویا بیٹھا ہو۔ انھوں نے اپنی ذات کو اپنی تخلیقی جدوجہد سے اتنا علیحدہ رکھا تھا بلکہ اُسے اپنے تخلیقی جذبے میں اِس طرح حل ہو جانے دیا تھا کہ اُن کا کارنامہ ہی اُن کی سوانح عمری بن گیا ہے۔ اُن کی زندگی میں ایسا ضبط و نظم، ایسا ٹھہراؤ، ایسا تسلسل، ایسی ہم آہنگی، ایسی نشو و نما، ایسا تدریجی عروج ہے کہ وہ بذاتِ خود ایک کلاسیکی نظم معلوم ہوتی ہے۔

# ملّت ہے جسم، جاں محمد علی جناح

چونکہ جناح کا دِل قوم کے دِل کے ساتھ دھڑکتا تھا اِس لیے قوم نے اُن کو اِس طرح اپنا سمجھا کہ دنیا کی تاریخ میں بہت کم رہنماؤں کو اُن کی قوم نے اِس طرح اپنا سمجھا ہوگا، نہ تو وہ عوام کے سے کپڑے پہنتے تھے، نہ اُن کے طور طریقے عوام کے سے تھے۔ وہ تو ٹھیک طرح اردو بھی نہیں بول سکتے تھے۔ مگر عام آدمیوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ انھیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد اور غم خوار سمجھتے تھے یہاں تک کہ انھیں یہ محسوس ہوتا تھا جیسے قائدِ اعظم براہِ راست اُن کے ذاتی معاملات سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ میں نے ایک پھیری والے کو دیکھا جسے پولیس والوں نے تنگ کیا تھا۔ وہ اپنی درخواست میں اُن کی شکایتیں لکھوا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا کہ خیر، یہاں تک تو درخواست دیئے دے

رہا ہوں مگر کسی طرح جناح صاحب کو پتہ چل جائے تو سب کام ٹھیک ہو جائے ،، اور یہ حال اُس وقت تھا کہ جب جناح نے لفظ عوام کو جا و بیجا استعمال نہیں کیا تھا مگر سوز دروں نے ، دل کے درد نے فتح پائی اور جناح کی روح نے ظواہر کی دیواریں توڑ کر براہِ راست عوام پر اثر کیا ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ہماری قوم نے بڑی مردم شناسی کا ثبوت دیا ۔ قوم نے ہمیشہ جناح کے دل کو دیکھا ، کپڑوں کو دیکھا ہی نہیں ۔

## کیا کہا تم نے ، جناح انگریزوں کا زرخرید ہے ؟ رئیس احمد جعفری

یہ وہ زمانہ ہے کہ جب گاندھی جی "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کر کے برطانوی سامراج سے آخری ٹکر لینے کے بعد بقول خود لارڈ ویول کے "خود ساختہ مشیر" کی حیثیت سے شملہ کانفرنس میں شریک ہوئے ، اور پاکستان کے خلاف پوری شدت اور قوت سے سرگرم کار تھے ۔ مسز سروجنی نائیڈو نے اپنا دوسرا وطن بمبئی کو بنا رکھا تھا ۔ تاج محل ہوٹل میں ایک سوٹ ہمیشہ اُن کے لیے مخصوص رہتا تھا ۔ اُردو زبان اور اُردو کے ادیبوں اور شاعروں سے انھیں بڑا لگاؤ تھا ۔ تاج محل ہوٹل میں جب وہ رونق افروز ہوتیں تو اُن کا کمرہ کبھی اُردو ادیبوں کا دانش کدہ بن جاتا کبھی اُردو شاعروں کی بزمِ سخن ۔ ایک مرتبہ حسبِ معمول تشریف فرما تھیں اُس وقت ادیبوں اور شاعروں سے زیادہ سیاستدانوں کا مجمع تھا ۔ ہندو اور مسلمان کئی کانگرسی لیڈر اور سربرآوردہ اصحاب رونق افروز تھے ۔ بات پاکستان پر چل پڑی اور جلے دِل کے پھپھولے پھوڑے جانے لگے ۔ سروجنی دیوی طنز لطیف کی ماہر تھیں ۔ وہ اپنے چٹکلے چھوڑتی رہیں ۔ اِتنے میں ایک مسلمان شریکِ مجلس نے جو کانگرس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہ چکے تھے قائدِ اعظم کو انگریزوں کا "زرخرید" کہہ دیا ۔

یہ سنتے ہی سروجنی دیوی کی شوخی اور بذلہ سنجی سنجیدگی بلکہ برہمی سے بدل گئی ۔ انھوں نے فرمایا ؛ ۔

"کیا کہا تم نے ؟ ——— جناح انگریزوں کا زرخرید ہے ؟ تم بک سکتے ہو ۔ میں خریدی جا سکتی ہوں ۔ باپو (گاندھی جی) اور جواہر لال نہرو کا سودا بھی شاید ہو سکتا ہے ۔ مگر جناح انمول ہے ۔ اُسے کوئی نہیں خرید سکتا ۔ ہمارے نقطۂ نظر سے وہ غلط راستے پر گامزن ہیں ۔ لیکن اُن کی دیانتِ فکر ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہے ۔" سروجنی دیوی کی یہ تیکھی باتیں سن کر سب دم بخود تھے ۔ لیکن جن صاحب نے یہ شگوفہ چھوڑا تھا ۔ اُن کا حال تو یہ تھا کہ ——— "پسینہ پونچھتے اپنی جبیں سے" ، کا منظر تھا ۔

# درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

قوم پر یقین اور ایمان کے علاوہ جناح میں ایک اور بات ایسی تھی جو اقبال کے سوا ہمارے زمانے کے کسی اور شاعر یا ادیب کو بھی نصیب نہیں ہوئی یعنی ایک عظیم خیال پر پورا اعتماد۔ ہندوستان ٹائمز نے تو اُن کی وفات کے بعد شاید طنزاً لکھا ہے کہ اُن میں ایسی قوتِ ارادی تھی جو حقیقتوں کو توڑ پھوڑ کر خوابوں کو حقیقت بنا سکتی تھی۔ مگر اِس سے زیادہ جناح کی تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔ جب انھیں ایک مرتبہ یقین آگیا کہ یہ ایک عظیم خیال ہے تو پھر وہ مادّی رکاوٹوں کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ جناح کا شمار یقیناً انسانی تاریخ کے عظیم تصور پرستوں میں ہوگا۔ محض ایک تصور کی بنیاد پر اپنے آپ کو تخلیق کے لیے آمادہ کرنا، ایک پوری قوم کے اندر تخلیقی جذبہ ابھارنا، نفی کو اثبات میں تبدیل کرنے کا خیال دِل میں لانا —— اِن چیزوں کے لیے ایک بڑے شاعر کی شخصیت اور تخیل کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام قسم کا آدمی تو ایسے تصور کے بوجھ ہی سے پس کر رہ جاتا ہے۔ جناح کی شخصیت اور اُس کے کارنامے کو شاعر کے تخیل سے بھرا نا محض شاعری نہیں ہے۔ جناح واقعی اہلِ جذب اور اہلِ جنوں میں سے تھا۔ بس اتنا ہی تو ہے کہ وہ از خود رفتہ نہیں ہوا۔ اُس نے درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار کی سب شرائط پوری کر دیں۔ ویسے بھی دیکھئے تو بہت سے لوگ جناح کے کارنامے پاکستان کو آج تک شاعری سمجھتے رہے۔

# نون کے مشورے پر کاربند

فیروز خان نون

ایک موقع پر انھوں نے مجھ سے پوچھا: "نون! فلاں صاحب کے بارے میں اُس دِن آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا؟" انھوں نے ایک بڑے انگریز افسر کا نام لیا تھا اور اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: "آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ سچائی پر ہمیشہ کاربند نہیں رہتے؟" میں نے جواب دیا کہ میرے خیال میں فلاں صاحب سچائی کے راستے سے دانستہ انحراف نہیں کرتے، البتہ اُن کا حافظہ غالباً کمزور ہے۔ مسٹر جناح نے پوچھا: "پھر اِس کا علاج کیا ہے؟" میں نے اِس کے جواب میں کہا کہ "جب کسی شخص کے ساتھ آپ کی سیاسی بات چیت ختم ہو جائے تو آپ کو اس پارٹی کے نام اِس مضمون کا ایک خط ضرور لکھنا چاہیے جس

میں بات چیت کے نتائج درج ہوں۔ اگر وہ تحریری طور پر اس کی تردید نہیں کرتا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارے میں آپ کا بیان صحیح ہے۔" میرا خیال ہے کہ اس کے بعد قائد اعظم ہمیشہ اس طریقہ پر کم سے کم اُس شخص کی حد تک کاربند رہے۔

جب میں ترکیہ کے دورے پر تھا تو اتاترک کے ایک رفیق کار نے مجھ کو قائد اعظم کے نام ایک پیغام دیا جو کراچی واپس پہنچنے پر میں نے انھیں پہنچا دیا۔ اتاترک کے رفیق کار نے کہا تھا: "براہِ مہربانی قائد اعظم سے کہہ دیجئے کہ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اُس کے لیے اُن کے پاس صرف دو سال کا عرصہ ہے۔ اتاترک نے اپنی حکومت کے ابتدائی دو برسوں میں عظیم کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے بعد عوام کا جوش و خروش کم ہوگیا تھا۔" میرا خیال ہے کہ عوام کے ذہنوں پر بہترین افراد کی گرفت بھی وقت گزرنے کے ساتھ کمزور پڑنے لگتی ہے۔ لیکن قائد اعظم کو بمشکل ایک سال کا عرصہ ملا تھا اور اسی عرصے میں انھیں ایک نئی مملکت کی بنیادیں رکھنی تھیں۔

## تری فطرت کو خدا نے کس قدر جوہر دیے — لیاقت علی خاں

سراپا دیانت، ایسی دیانت جس میں ذرا بھی فریب و ریاکاری کا شائبہ نہیں۔ ایسی دیانت جس کے بارے میں اُس کے سخت سے سخت ناقدوں کو بھی زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ وہ دیانت جس نے کبھی مہاتمائی کا ظاہر فریب لبادہ اوڑھنے کی کوشش نہیں کی، جس نے تقدس مآبی، مذہبی ریاکاری، سوڈے بازی، پُراسرار گفتگو اور حبِ جاہ و مال سے ہمیشہ نفرت کی ہے۔

سراپا ذہانت، جس نے ہمیشہ جذبات سے الگ ہوکر واقعات کا اس طرح تجزیہ کیا کہ وہ عریاں حقیقت بن کر سامنے آگئے۔ اُس کی یہی حقیقت اُسے بے چین رکھتی ہے۔ وہ رات بھر جاگتا رہتا ہے اور صبح کی اولیں ساعتوں تک فرش پر ٹہلتے ہوئے اپنے فیصلہ کی تمام جزئیات کو بار بار جانچتا ہے، ہر بات کو تولتا ہے اور ہر نکتے کو پرکھتا ہے اس لیے کہ اسی کے فیصلے پر قوم کی زندگی اور موت کا انحصار ہے۔

سراپا عزم، وہ عزم جس کے سامنے کوئی رکاوٹ ناقابلِ تسخیر نہیں۔

سراپا فراست، وہ فراست جو باتوں کی تہ میں اُتر جاتی ہے اور ایک ایک جز کو اُس کی تفصیل کے ساتھ

پرکھ لیا کرتی ہے۔

یہ ہے وہ مُدبّر جو آج نو کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کر رہا ہے —— قائدِاعظم محمد علی جناح —— ہندوستانی سیاست کے ڈزرائیلی۔

# صحیح فیصلہ اور اس پر ڈٹ جانا

حکیم محمد سعید دہلوی

جہاں تک قائدِاعظم کی شخصیت کا تعلق ہے مجھے سب سے زیادہ اُس کے اِس پہلو نے متاثر کیا ہے کہ "آدمی ایک بات کرکے اُس پر ڈٹ جائے"۔ قائدِاعظم کی پوری زندگی میں جابجا یہ حقیقت بکھری ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ ایک فیصلہ کرتے اور پھر اُس پر ڈٹ جاتے۔ اُن کا یہ فیصلہ بھی بالکل صحیح ہوتا اور اِس پر عملدرآمد کے لیے قوت بھی وہ پوری استعمال کرتے۔ مجھے اُن کی یہ ایک چیز بہت زیادہ پسند ہے: "صحیح فیصلہ اور پھر اُس پر ڈٹ جانا" میں اپنی زندگی میں اسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اِس میں کامیابی بھی بخشی ہے۔

# ضرورت ہے نوجوانوں کی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

قائدِاعظم سے میں بارہا ملا لیکن اِسے آپ بہت زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ بہت زیادہ نہ ملنے کی وجہ قائدِاعظم کی عدیم الفرصتی اور میری گوشہ نشینی کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ بہرحال میں پہلی بار قائدِاعظم سے اینگلو عربک کالج دہلی کے ایک مباحثے میں ملا۔ میں ایک دوسرے مقامی کالج میں لیکچرار تھا اور اس مباحثے میں تقریر کرنے کے لیے مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا۔ قائدِاعظم نے اِس مباحثے کا افتتاح کیا۔ میں اور خواجہ مسرور حسن نے اپنی تقریروں میں اِس بات پر زور دیا کہ قائدِاعظم کو اپنے ساتھ نوجوانوں کو بھی ملانا چاہیے۔ اُس وقت ہم بھی نوجوان تھے۔ اِسی لیے بڑے جوش وخروش کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا۔ قائدِاعظم نے ہماری بات سُنی اور ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

"تمہاری بات تو صحیح ہے مگر مجھے بتاؤ کہ نوجوان کہاں ہیں؟"

# اکابرینِ ملّت کے درمیان

سردار علی صابری

نئی دہلی کی ویسٹرن کورٹ میں مسٹر محمد علی جناح کی زیرِ صدارت ملک کے معزز مسلمانوں کا جلسہ ہوا جس میں کانگرس کے ہم خیال رہنما بھی تھے اور وہ بھی جن کے متعلق شمس العلماء امام سید احمد مرحوم نے اشارہ کیا تھا کہ وہ کانگرس کے ہاتھوں مسلمانوں کا گلا نہیں کٹنے دیں گے۔

مولانا حسرت موہانی ایک روز پہلے دلی تشریف لے آئے تھے اور معمول کے مطابق میرے ہاں رونق افروز تھے۔ شہر میں سیاسی سرگرمیاں پورے شباب پر تھیں۔ سی پی کے ممبر اسمبلی سید عبدالرؤف، روزنامہ سیاست لاہور کے پروپرائٹر سید حبیب شاہ، حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد شفیع داؤدی اور شاہ محمد زبیر سہ روزہ "الامان" کے دفتر میں مولانا مظہر الدین مرحوم کے مہمان تھے اور چونکہ مولانا مرحوم سے میرے بہت ہی گہرے تعلقات تھے اس لیے ان رہنماؤں کے دلی خیالات معلوم کرنے کا اتفاق خوب ہوا۔ اِن لوگوں میں صرف ایک شاہ محمد زبیر کانگرس کے ہم خیال تھے۔

مولانا حسرت موہانی اپنے فارمولے کے حق میں بڑی شدومد کے ساتھ کنویسنگ کر رہے تھے کہ اسمبلی میں مسلمانوں سے متعلق کوئی ایسا مسودہ قانون پیش نہ کیا جائے جسے دو تہائی مسلم ممبروں کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو۔ مولانا حسرت موہانی اور امام صاحب جامع مسجد کے طفیل مجھے بھی ایک لیگی کارکن ہونے کی حیثیت سے ویسٹرن کورٹ کے جلسے میں شریک ہونے کا موقع مل گیا۔ حاضرین کی تعداد ڈیڑھ دو سو کے قریب تھی جن میں مدعوشرکا بھی تھے اور وہ غیر مدعو لوگ بھی جو ذاتی رسوخ یا کسی بڑے لیڈر سے تعلقات کی بنا پر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ بہت سے مشاہیر دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن اُن کی صورتیں نگاہوں کے سامنے گھوم رہی ہیں۔

وہ دیکھیے بیچ میں مسٹر محمد علی جناح کی کرسی ہے۔ جوانی ڈھل رہی ہے مگر چہرے پر غضب کی دلکشی ہے ہلکے بادامی رنگ کا سوٹ کس قدر بھلا معلوم ہو رہا ہے۔ داہنی طرف مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں بیٹھے ہیں متین، سنجیدہ، بالکل تندرست۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ دنیا میں اب صرف چند ماہ کے مہمان ہیں۔ بائیں جانب مہاراجہ سر علی محمد خاں والئی محمود آباد جن کے چہرے پر اُس زمانے میں رعب دار خوشنما داڑھی تھی۔

ہے

اُن کے برابر میں مولانا محمد علی تن پر کھدر کی پوشاک اور داڑھی اور سر کے بال بالکل سیاہ، وہ دیکھئے سَر محمد شفیع کی مونچھیں کس قدر خوشنما ہیں۔ مولانا حسرت موہانی کا جسم بھاری ہے۔ گنجان داڑھی میں ایک یا دو بال سفید، وہ دیکھئے سامنے دبلے پتلے مولانا شفیع داؤدی بیٹھے ہیں، اور اُن کے پہلو میں بھاری بھر کم سید عبدالرؤف۔ مولانا ظفر علی خاں کی شان سب سے الگ ہے۔ اپنی لال ترکی ٹوپی ہاتھ میں لئے اِس سے شغل فرما رہے ہیں۔ مولانا مظہر الدین کی جوانی ہے۔ خطیب ملت حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی سے کس قدر محبت کے ساتھ سرگوشی ہو رہی ہے۔ مسٹر عبدالمتین چودھری کے سامنے میز پر ایک دو فائل بکھرے پڑے ہیں۔ سر ذوالفقار علی خاں کے دائیں بائیں سر شاہ نواز اور صاحبزادہ سر عبدالقیوم بیٹھے ہیں۔ اِن کے برابر میں سر عبداللہ المامون سہروردی مولوی محمد یعقوب کی نشست ہے۔ دوسری طرف سر عبدالرحیم سر جھکائے کچھ سوچ رہے ہیں۔ مدراس کے سید مرتضیٰ بہادر ابھی زیادہ بوڑھے نہیں ہوئے ہیں۔ مرکزی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باوجود ہمیشہ دریا گنج کی خانقاہ صابریہ میں فقیرانہ شان سے ٹھہرے ہیں۔ ایک کونے میں سَر شفاعت احمد بھی بیٹھے ہیں اور بھی کچھ مشاہیر موجود ہیں لیکن نام یاد نہیں آتے۔

## محنت نہ کروں گا تو بڑا آدمی کیسے بنوں گا؟

فاطمہ بائی

وہ بڑا اچھا اور تیز لڑکا تھا۔ نیونہم روڈ کے گھر کی بالائی منزل پر ہم آٹھ افراد دو کمروں میں رہا کرتے تھے۔ رات کو جب بچے سو جاتے تو محمد علی جناح دفتی کا ایک تختہ لمپ کے ساتھ کھڑا کر دیتے تھے تاکہ روشنی سوئے ہوئے بچوں کی آنکھوں پر نہ پڑے اور پھر وہ رات گئے تک پڑھتے رہتے۔ ایک رات میں اُن کے پاس گئی اور کہا: "بچے اتنا نہ پڑھا کرو، بیمار ہو جائے گا۔" جناح نے جواب دیا:۔

"بائی! اگر میں اب محنت نہ کروں گا تو زندگی میں کوئی بڑا کام نہ کر سکوں گا۔"

## مرغوب ناشتہ

مطلوب الحسن سیّد

قائداعظم کام کرنے کی خاطر جسم کو اعتدال پر رکھنے کے لئے کچھ کھاتے تھے۔ وہ صرف اِسی قدر کھاتے

اور بہت تھوڑا کھاتے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انھیں سادہ غذا پسند تھی۔ کبھی کبھی بعض چیزیں پلاؤ وغیرہ فرمائش سے بھی تیار کروا لیتے تھے۔ صبح کے ناشتے پر انھیں پوری اور سوجی کا حلوہ بہت مرغوب تھا، میز پر اُسے دیکھ کر مسکرا دیا کرتے تھے۔

## فوق تدبر جناح

سر فرانسس موڈی

میں جتنے آدمیوں سے آج تک ملا ہوں اُن میں جناح نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وُہ مجھے بہت پسند تھے..... حالانکہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں انھیں کیوں پسند کرتا تھا۔ وہ فطرتاً سرد مہر اور غیر جذباتی واقع ہوئے تھے، کم از کم اُن کے وتیرے اور طور طریقے سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔ تاہم اُن کی سرد مہری میں مَیں نے کبھی درشتی یا سنگدلی کا شائبہ نہ پایا۔ ہاں اُن کے مزاج اور کردار میں سختی ضرور تھی، جہاں تک اُن کا بس چلا انھوں نے کسی معاملے میں کسی سے سمجھوتا نہ کیا۔ سرکاری طور پر مجھے اُن سے اُن کی عمر کے آخری سال میں سابقہ پڑا اور اُس زمانے میں اُن کی صحت بہت تیزی سے گر رہی تھی۔ تاہم آخر دم تک میں نے اُن کی معقول پسندی میں ذرا فرق نہ پایا۔ وہ دوسرے کی بات سننے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے اور اگر بات معقول ہوتی تو مان بھی لیتے....... اُن کے ساتھ کام کر کے مَیں نے یہ رائے قائم کی کہ مَیں اُن پر پوری طرح اعتماد کر سکتا ہوں۔ آزادی سے پہلے جن لوگوں نے جناح کی مدد کی تھی، اُن کے ساتھ انھوں نے پوری طرح وفا کی۔

• جناح کی سیرت اور کارناموں کا اندازہ کرتے وقت ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وہ کیسی زبردست قوتوں کے خلاف لڑتے رہے۔ اُن کا مقابلہ صرف ہندوؤں کی دولت اور قابلیت سے نہ تھا، ہندوستان کے قریب قریب تمام انگریز احکام، اور برطانیہ کے اکثر سیاستدان اُن کے مخالف تھے۔ اِن سیاستدانوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ پاکستان کے مطالبے پر کبھی سنجیدگی سے غور نہ کیا، دراصل جناح کے مخالفوں میں سے کسی نے بھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اُن کا گلہ کیا ہے اور وہ چاہتے کیا ہیں۔

# مجھے کوئی خطرہ نہیں

قائداعظم اور اُن کے ملٹری سیکرٹری کے درمیان صرف ایک مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا، اور عرصے تک جاری رہا۔ ہندوستان اور پاکستان میں مجنونوں کی کمی نہ تھی اور اُن میں بہت سے ایسے تھے جو موقع ملنے پر کسی لیڈر کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ کرنل برنی کو اِس خطرے کا احساس تھا، اور اِس لیے انھوں نے قائداعظم سے اجازت چاہی کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ایک اونچی دیوار اِس طرح تعمیر کروائی جائے کہ جس حصّے میں قائداعظم کا قیام تھا وہ بالکل الگ اور محفوظ ہو جائے۔ جب یہ تجویز پہلی دفعہ قائداعظم کی خدمت میں پیش کی گئی تو اُنھوں نے جواب دیا: "یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو میری حفاظت کا اِتنا خیال ہے۔ لیکن آپ نے اِس سے پہلے جو گورنر جنرل دیکھے ہیں میری حیثیت اُن سے بہت مختلف ہے۔ مَیں اسی ملک کا باشندہ اور اِسی قوم کا فرد ہوں۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں۔"

کرنل برنی اِس بات سے مطمئن نہ ہوئے اور جواب دیا کہ "ممکن ہے کہ کوئی ہندو آپ پر گولی چلا دے۔" جناح نے پھر یہی جواب دیا کہ "مَیں اپنے ملک میں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کے درمیان ہوں اور مجھے کسی طرح کا خطرہ نہیں ........ اور مَیں بہر حال اِس کو فضول خرچی سمجھتا ہوں۔" اِس آخری فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی نجی زندگی کی طرح سرکاری معاملات میں بھی وہ روپیہ خرچ کرنے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھے۔

# گئی رات تک کام

جو صاحب اُن دنوں جناح کے سیکرٹری تھے اُن کا کہنا ہے کہ:

"وائسرائے مونٹ بیٹن سے ملاقات کے بعد جب وہ گھر لوٹتے تو تھکے ہوئے اور بہت سنجیدہ ہوتے۔ لیکن انھوں نے کبھی مجھ سے یا اپنے عملے کے کسی اور رکن سے اپنی اِن ملاقاتوں کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ اُن کے چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار ہوتے، مگر وہ خاموش رہتے اور رات کو دیر تک کام میں مصروف رہتے۔"

# جناح کی غیر معمولی صلاحیت

جناح میں اس بات کی غیر معمولی صلاحیت تھی کہ اگر وہ کسی واضح تصور کو ایک دفعہ قبول کر لیتے تو اُس پر قائم رہتے اور اُس کو عملی جامہ پہنانے میں جن دقتوں اور رکاوٹوں کا اندیشہ ہوتا، اُن کا قطعاً خیال نہ کرتے۔ اِسی یک جہتی اور پامردی میں اُن کی قوت و اعتماد کا راز پنہاں تھا۔ قریباً نصف صدی تک جناح ہندوستان کے قومی اتحاد کے پیامبر رہے تھے اور اِس اتحاد کو فروغ دینے کے لیے انھوں نے بڑی جدوجہد کی تھی۔ لیکن اَب اُن کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا اور وہ ہندوستان کو تقسیم کرانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اِس نصب العین سے نہ انھیں دھمکیاں دے کر ہٹایا جا سکتا تھا نہ خوشامد کر کے۔

## رفیق کار کی موت پر

چودھری غلام عباس

۱۹۴۴ء میں حضرت قائد اعظم سری نگر میں تھے۔ نواب بہادر یار جنگ کی وفات انھی ایام میں ہوئی۔ اُن دنوں قائد اعظم ہاؤس بوٹ میں مقیم تھے۔ میں اُس روز اُن کی خدمت میں جا رہا تھا کہ قائدِ اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح مجھے بند پر دریا کے اُس طرف ملے۔ مَیں نے عرض کی کہ میں آپ کی طرف جا رہا تھا۔ فرمایا: "میں اس وقت سوپنگ کے لیے گھر سے نکلا ہوں"۔ میرے اصرار پر کہ کام بہت ضروری ہے، مراجعت فرمائی اور ہم شکارا میں بیٹھ کر دریا کے پار ہاؤس بوٹ میں داخل ہوئے۔ قائد اعظم آرام سے بیٹھ گئے اور سگریٹ سلگا لیا تو میں نے نواب صاحب کی وفاتِ حسرت آیات کی خبر اُن کو سنائی۔ اِس کے بعد کمرہ میں سکوت طاری ہو گیا۔ مجھے خود انتہائی صدمہ تھا۔ لیکن میں وقتاً فوقتاً قائدِ اعظم کی طرف دیکھتا۔ رنج و غم قائد اعظم کے چہرے پر نمایاں تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد قائد اعظم گویا ہوئے اور فرمایا: "غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے کسی کی موت سے اتنا شدید صدمہ ہوا ہے"۔ پھر نواب صاحب کی خوبیاں گنوانی شروع کیں۔ اِس کے بعد نواب صاحب مرحوم کی بیگم صاحبہ کو میری موجودگی میں ہی بذریعہ تار پیغامِ تعزیت پہنچایا۔

# قائدِاعظم کی ڈائری

بولا یتھو

اپنے عملے کے ساتھ جناح کے تعلقات اُن کے اپنے مزاج اور کردار کے آئینہ دار تھے۔ کام کے معاملے میں وہ سخت تھے لیکن جو نوجوان اُن کے عملے میں کام کرتے تھے وہ بھی بڑے مخلص اور جان نثار تھے۔ اُن کے کردار پر جناح کی بے مثل دیانت داری کا بہت اچھا اثر پڑا۔ ذیل کا واقعہ جو قائدِاعظم کے عملے کے ایک رکن نے خود بیان کیا ہے اِس اثر کی بڑی اچھی مثال ہے:

"قائدِاعظم ہمیشہ خاموش اور الگ الگ رہتے۔ باوجود میری کوشش کے وہ کبھی مجھ سے بے تکلف نہ ہوئے۔ یہ بات مجھے ناگوار گزری اور مَیں یہ جاننے کے لیے بے چین رہتا کہ اُن کے دِل میں کیا ہے، اور وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ وہ کوئی باقاعدہ روزنامچہ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اُن کے پاس ایک چھوٹی سی کاپی ہے جس میں وہ کبھی کبھی لکھتے ہیں۔ یہ کاپی وہ اپنے دراز میں مقفل رکھتے تھے۔ ایک دِن اتفاق سے وہ مجھے میز پر پڑی مِل گئی اور چونکہ اُس وقت میں تنہا تھا، میں نے اُس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ میں نے سوچا کہ اِس چھوٹی سی کتاب میں مجھے اُن خیالات و واردات کا سراغ مِل جائے گا۔ جن کا وہ کبھی کسی سے اظہار نہ کرتے تھے۔ یہ سوچ کر مَیں نے کاپی چرا لی اور اُسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہاں میں نے دو گھنٹے اُسے اپنے پاس رکھا، پھر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کرنا شروع کیا۔ جناح جیسے دیانت دار انسان کو دھوکا دے کر کوئی شخص کبھی مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ بالآخر میں کتاب واپس لے گیا، اور جہاں سے اٹھائی تھی وہیں رکھ دی۔"

# حسنِ بیان نہیں، واضح بیان

عبارت آرائی اور خوبصورت الفاظ کے استعمال کا شوق محمد علی جناح کو کبھی نہ ہوا۔ اُن کی تحریر و تقریر کی عبارت سادہ اور روکھی پھیکی ہے۔ ایک دفعہ وہ لیاقت علی خاں اور اپنے ایک سیکرٹری کی مدد سے ایک بیان لکھ رہے تھے۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ زبان ادیبانہ اور فقرے خوب صورت ہوں مگر جناح اُن کی کوشش سے جلد ہی تنگ آ گئے اور بولے: "مجھے حسنِ بیان نہیں چاہیے۔ مَیں صرف اپنا مافی الضمیر واضح طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

## اُن کا خاص کمرہ

محمد حنیف آزاد

اُن کے خاص کمرے میں جہاں بہت کم لوگوں کو داخلے کی اجازت تھی صرف ایک صوفہ تھا۔ اس صوفے کے ساتھ ایک چھوٹی سی تپائی تھی۔ اس میں صاحب اپنے سگار کی راکھ پھینکتے تھے۔ صوفے کے بالمقابل دو شوکیس تھے ان میں وہ قرآن مجید رکھے رہتے تھے جو اُن کے عقیدتمندوں نے اُن کو تحفے بھیجے تھے اس کمرے میں اُن کے ذاتی کاغذات بھی محفوظ تھے۔ عام طور پر وہ اپنا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزارتے تھے۔ اس میں کوئی میز نہیں تھا۔ مطلوب یا کوئی اور شخص جب بھی اس کمرے میں بلایا جاتا تو اُسے دروازے میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ یہیں وہ صاحب کے احکام سنتا اور الٹے پاؤں واپس چلا جاتا۔ صوفے کے خالی حصے پر اُن کے زیر مطالعہ کاغذات بکھرے رہتے تھے۔ کوئی خط لکھوانا ہوتا تو مطلوب کو یا سٹینو کو بلاتے اور خط یا بیان کی عبارت بول دیتے۔ ان کے لہجے میں ایک قسم کی کرختگی تھی۔ میں انگریزی زبان کے مزاج سے واقف نہیں ہوں لیکن جب وہ بولتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ زور نہ دینے والے الفاظ پر بھی زور دے رہے ہیں۔

## درخواست کا غلط وقت

جناح کے زمانے میں ہائی کورٹ میں ایم اے سوم جی نامی ایک اور وکیل تھا جو عمر میں اُن سے چھوٹا تھا (سوم جی بعد میں ہائی کورٹ کا جج ہوگیا) ایک مقدمے میں جناح اور سوم جی مخالف فریقوں کی طرف سے پیش ہو رہے تھے۔ سوم جی کسی اور عدالت میں بحث کر رہے تھے کہ یکایک جناح والے مقدمے کی آواز پڑ گئی۔ سوم جی کے منشی نے جناح سے مختصر التوا کی درخواست کی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ منشی نے جج سے مدد چاہی تو جج نے کہا: "اگر جناح مان جائیں تو مجھے التوا پر کوئی اعتراض نہیں" لیکن جناح راضی نہ ہوئے، بولے: "میرے فاضل دوست (سوم جی) کا فرض تھا کہ وہ ذاتی طور پر مجھ سے التوا کی درخواست کرتے"

## میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے

فرخ امین

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب وہ دوسری بار لاہور تشریف لائے گئے تو انھیں نزلہ ہوگیا اور اُس زمانہ

میں میں نے دیکھا کہ وہ اپنی صحت کے معاملہ میں کس قدر بے نیاز تھے۔ میں نے دو مرتبہ اُن سے مؤدبانہ گذارش کی کہ اپنے لیے اچھے سے اچھا ڈاکٹر بلوانے کی اجازت دیجیے لیکن دونوں مرتبہ انھوں نے مجھے یہ کہہ کر خاموش کر دیا: "مسٹر ایمن! مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں۔ میرا گلا تو بارہا خراب رہ چکا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔" قائدِ اعظم مجھے ہمیشہ ایمن کہہ کر مخاطب فرماتے تھے لیکن جب کبھی کوئی بات اُن کے خلافِ مزاج ہو جاتی تو وہ نام کے پہلے مسٹر لگا دیتے اور یہ علامت تھی اِس بات کی کہ جو کچھ میں نے کیا یا کہا ہے وہ اُن کی مرضی کے خلاف ہے۔ چنانچہ مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔ قائدِ اعظم مزاحاً فرماتے میں یہ نہیں چاہتا کہ ڈاکٹر مجھے "اپنے تجربہ" کا آلۂ مشق بنائیں۔ قائدِ اعظم کو اِس بات سے بھی سخت نفرت تھی کہ کوئی نرس اُن کی دیکھ بھال کرے۔ اِس لیے کہ اپنے ذاتی کاموں میں انھیں کسی کی مدد اچھی نہ لگتی تھی۔ شروع شروع میں میں اُن کے کاغذات یا اُن کا قلم اٹھا کر اُن کے سامنے رکھ دیتا۔ لیکن انھوں نے کبھی اِس بات کو پسند نہیں فرمایا۔

# ان کی شامیں سیر و تفریح کے بجائے مقدمات کی تیاری میں صرف ہوتیں

بولا تیھو

ایک پرانے بیرسٹر نے جناح کی وکالت کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا وہ بڑے گہرے مشاہدے کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے کہا: "ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب جناح نے وکالت شروع کی اُس وقت بمبئی میں وہ واحد مسلمان بیرسٹر تھے۔ ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی ہوں لیکن اُن میں کوئی قابلِ ذکر نہ تھا۔ وکلا میں سے اکثر ہندو یا پارسی تھے اور شاید وہ اِس بات پر خوش نہ تھے کہ مسلمان تاجروں کے خاندان کا ایک بیرسٹر اپنے کام میں ایسی غیر معمولی محنت کر رہا ہے۔

اِس لیے وہ اِس پر نکتہ چینی بہت سختی سے کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناح کی زندگی لطف و عشرت سے یکسر خالی تھی اور اپنے کام کے سوا انھیں کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ رات دن اپنے مقدموں میں لگے رہتے۔ میں اب بھی چشمِ تصور میں انھیں دیکھ سکتا ہوں۔ بالشت کی طرح پتلے، تیوری پہ بل پڑے ہوئے، اور ہمیشہ یوں معلوم ہوتا کہ بڑی جلدی میں ہیں۔ اُن کی نجی زندگی بہت ستھری تھی اور اس کے متعلق کبھی کسی

قسم کی چہ میگوئیاں سننے میں نہ آئیں۔ وہ ایک محنتی غیر شادی شدہ جوان تھے اور زیادہ خوش خلق اور متواضع نہ تھے سنجیدگی مزاج میں اس درجے تھی کہ بہت کم لوگ اُن سے دوستی کرنا چاہتے۔ اِس قسم کے کردار پر لوگ عموماً تنقید زیادہ کرتے ہیں، بالخصوص مشرقی ممالک میں جہاں لوگوں کے پاس کام کم اور باتوں کی فرصت زیادہ ہے اور جہاں انسان کی خامیاں تو معاف کر دی جاتی ہیں لیکن اُس کی خوبیاں ہدفِ تنقید بن جاتی ہیں۔"

## وہ ہر خط کو خود کھولتے

ممتاز حسن احسن

قائداعظم لندن میں صبح سات بجے سے پہلے اُٹھتے تھے۔ سات بجے اُن کے کمرے میں چائے پہنچائی جاتی تھی، وہ آٹھ بجے تک کپڑے پہن کر اور اخبار پڑھ کر اپنی ڈاک دیکھ رہے ہوتے تھے، خورشید صاحب کو اُن کی ڈاک کھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ہر خط کو سب سے پہلے خود دیکھتے اور پھر یا خود اِس کا جواب لکھاتے یا اِس پر کوئی حکم لکھ دیتے۔

اُن کی پوشاک نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ اُن کی وضع، انداز گفتگو اور طبیعت کی متانت کچھ اِس درجہ پر تھی کہ میں نے جب کبھی انھیں کسی بڑے سے بڑے برطانوی سیاستدان سے باتیں کرتے دیکھا یہی محسوس ہوا کہ وہ اُن کے برابر کا آدمی نہیں ہے۔ برطانوی وزراء کی شخصیت اور اُن کی قابلیت سے وہ کوئی زیادہ متاثر بھی نہیں تھے۔

## "گرے ولف" بہت اچھی کتاب ہے

بولائیتھو

نومبر ۱۹۳۲ میں ایک روز مصطفیٰ کمال کی مشہور سوانح حیات "گرے وُلف" (Grey Wolf) پر ایک تبصرہ جناح کی نظر سے گزرا۔ یہ تبصرہ لندن کے مشہور اخبار ٹائمز (The Times) کے ادبی ضمیمے میں شائع ہوا تھا۔ جناح ناشتے کے بعد ہی چل کھڑے ہوئے اور بازار جا کر کتاب کے مطالعے میں غرق رہے۔ کتاب ختم کر کے انھوں نے اپنی بیٹی دینا کو دی اور اُس سے کہا: "لو بیٹی اِسے پڑھو، یہ بہت اچھی کتاب ہے۔" دینا کی عمر اُس وقت تیرہ سال تھی۔

اِس کے بعد کئی دِن تک وہ برابر کمال نازک کا ذکر کرتے رہے۔ اِس بات پر انھیں دینا کی پھبتیاں بھی سننا پڑیں اور وہ انھیں گرے ولف کے لقب سے پکارنے لگی دِینا اِن دِنوں چھٹیاں گزار نے سکول سے گھر آئی ہوئی تھی اور باپ بیٹی ایک دوسرے کی صحبت میں بڑے خوش تھے۔ صِرف دِینا ہی محمد علی جناح سے چھیڑ خانی کر سکتی تھی، ورنہ وہ ساری عمر اِس قسم کے لاڈ پیار سے محروم رہے۔ باپ کے ہاتھوں کی طرح دینا کے ہاتھ بھی سبک اور حسین تھے اور دوران گفتگو میں بڑے پُرمعنی انداز سے حرکت کرتے رہتے۔ کبھی کبھی یہی نازک ہاتھ وہ اُن کی طرف بڑھاتی، اور مقدمے کی مسل اُن کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہتی "گرے ولف! چلیں مجھے پینٹو مائم دکھلائیں۔ آخر میں بھی تو چھٹیاں منانے یہاں آئی ہوں۔"

## قلیوں کا معاوضہ

مطلوب الحسن سیّد

یہ درست ہے کہ وہ ایک بہت منظم زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ لیکن یہ درست نہیں کہ اُن کی شخصیت بے لچک تھی اور اِس میں گرم جوشی اور شخصی لگاؤ کا فقدان تھا۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ جب وہ مدراس کے اجلاس میں تشریف لے گئے تھے تو میں اُن کے ہمراہ تھا۔ واپسی میں انھیں مہاراجہ میسور کا دعوت نامہ مِلا کہ آپ کچھ دن میسور کے ایک پہاڑی مقام پر گزاریں۔ آپ کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔ اِس دعوت نامے کو انھوں نے قبول کر لیا اور ایک پہاڑ نندی میں اُن کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ ہم اُن کی معیت میں جب نندی پہنچے تو سامان قلیوں پر لدوا کر اوپر پہنچوایا گیا۔ یہ پہاڑی کچھ ایسی بلند نہ تھی تاہم ہم نے قلیوں کو خوش کرنے کے لیے چار چار روپے اُجرت کے دے دیئے۔ قائداعظم نے ریسٹ ہاؤس پہنچ کر پوچھا: "قلیوں کو کیا اُجرت دی؟" اُن سے عرض کیا گیا کہ چار چار روپے دے دیئے گئے ہیں۔ "یہ تو تم نے بہت زیادہ دے دیا۔ تم نوجوان پیسے کی قدر نہیں جانتے۔" عرض کیا گیا کہ خیال یہ ہوا کہ شایانِ شان طور پر کام ہو۔ انھوں نے جھنجھلا کر کہا: "تمھارے خیال میں کیا ہم لوگ مہاراجہ ہیں!"

کچھ دِن بعد مہاراجہ میسور نے تجویز کی کہ ایک اور پہاڑی جو نندی سے نسبتاً بلند ہے، اُس پر قیام کیجیے

چنانچہ قائداعظم اِس دوسرے مقام پر منتقل ہو گئے۔ اِس مرتبہ بھی سامان قلیوں نے پہنچایا اور ہم نے اَب کی مرتبہ انہیں صرف ایک ایک روپیہ دیا۔ قائداعظم نے نئی قیام گاہ پر پہنچتے ہی پوچھا: "قلیوں کو کیا دیا گیا؟" عرض کیا گیا کہ ایک روپیہ فی کس ادا کیا گیا ہے۔" اِس پر وہ بہت برہم ہوئے۔ فرمایا "یہ کیا ظلم کیا اتنی بلندی تک سامان لانے کی اُجرت یقیناً زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ معلوم ہوتا ہے تم لوگوں نے میری گذشتہ تنبیہ کا غلط مفہوم لیا۔ جاؤ قلیوں کو بلاؤ اور پانچ روپے فی کس ادا کرو۔"

چنانچہ قلیوں کو پانچ روپے کے حساب سے اُجرت دے دی گئی۔ پھر فرمایا: "دیکھو میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ مزدور کو اُس کا جائز حق نہ دیا جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ تم نوجوانوں پر یہ واضح کر دوں کہ تم اپنے ساتھ بھی انصاف کرو اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ نندی کی چڑھائی بہت معمولی تھی، وہاں چار روپے فی کس دینا فضول خرچی تھی۔ اِس مقام کے پانچ روپے دینا اِس لئے مناسب ہے کہ یہ بلندی نندی کی نسبت بہت زیادہ ہے۔"

کیا یہ اِس بات کی دلیل نہیں کہ انہیں ہمارے کردار کی تعمیر سے ذاتی دلچسپی تھی۔

## ... کاش میرا بھی ایک بیٹا ہوتا

بو لائیتھو

ایک دفعہ گرمیوں میں جناح کے ایک دوست کا بیٹا اپنے ہم مکتبوں کو لے کر اُن کے گھر مہمان ٹھہرا۔ اپنے قیام کی آخری رات کو جب یہ بچے آرام کرنے جا چکے تھے، اچانک اُن کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اُن کے بزرگ میزبان اندر آ گئے۔ اِس کے بعد جو کچھ ہوا وہ جناح کے دوست کے بیٹے کی زبانی سنیئے جو بڑا ہو کر جناح کا پُرجوش سیاسی پیرو ہو گیا۔

"جناح نے روشنی جلا دی اور ہم نے دیکھا کہ وہ شب خوابی کا لباس اور اُس کے اُوپر ڈریسنگ گاؤن پہنے ہیں۔ پہلے انھوں نے ہمارے آرام میں مخل ہونے پر ہم سے معذرت چاہی، پھر بولے: یہ سوچ کر کہ کل تم لوگ واپس چلے جاؤ گے مجھے نیند نہیں آ رہی، پھر وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اِس گفتگو میں سیاست کا کوئی ذکر نہ تھا انھوں نے اپنے قیام انگلستان کے زمانے کا حال ہم سے بیان کیا اور کراچی میں اپنے

پر بچپن کے قصّے سنائے۔ جب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس جانے لگے تو انھوں نے ہمیں اتنی دیر تک بیدار رکھنے پر ہم سے معافی چاہی اور بتّی گل کرتے ہوئے کہا:
کاش! میرا بھی ایک بیٹا ہوتا!"

## بوڑھا آدمی بیس میل پیدل چل کر آیا

مطلوب الحسن سیّد

سیاسی تعلیم و تربیت کا قائدِ اعظم کو بہت شوق تھا اور وہ اِس سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔
ایک مرتبہ میسور سے گزر ہو رہا تھا۔ مسلم لیگ کے مدراس کے سالانہ اجلاس سے واپسی ہو رہی تھی اور مدراس میں قائدِ اعظم کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ مستقل بخار رہتا تھا اور حرارت بہت زیادہ۔ کمزوری بے انتہا بڑھ گئی تھی اور ریاست کے مہمان خانہ میں قیام تھا۔

ایک روز صبح کو کچھ لوگ آئے اور کہا کہ قائدِ اعظم سے ملاقات کرنا ہے۔ میرا فرض تھا کہ جہاں تک ہوسکے قائدِ اعظم کو کسی سے ملنے نہ دوں کیونکہ ڈاکٹروں نے کام کرنے اور محنت کی سخت ممانعت کردی تھی۔ یہاں تک کہ اُن کے قریب بات کرنے کی بھی سخت مناہی تھی۔

یہ لوگ قائدِ اعظم سے ملنے بیس میل پیدل چل کر آئے تھے اور اِن میں دو چار تو بیچارے بہت ضعیف تھے۔ جب میں نے کہا کہ امیرِ ملت کی طبیعت خراب ہے اور اُن کو بات کرنے کی ممانعت ہے تو اُن میں سے ایک بوڑھا آدمی زار و قطار رونے لگا اور اُس نے اپنے پیر کے چھالے مجھے دکھائے۔ اِس کے بعد اُس نے کہا کہ کوئی حرج نہیں میری قسمت میں قائدِ اعظم کی ملاقات نہیں لکھی ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ اٹھائے اور چیخیں مار مار کر قائدِ اعظم کی صحت کے لیے دعائیں کرنے لگا۔ اِس کا اثر میرے اوپر اِس قدر ہوا کہ میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اُس کے دِل سے نکلی ہوئی دُعا سے قائدِ اعظم ضرور روبصحت ہوجائیں گے۔ میں نے قائدِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوکر آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں سے اُن کو یہ ماجرا سنایا۔ قائدِ اعظم نے فرمایا کہ پوچھو یہ لوگ کچھ دِن انتظار کرسکتے ہیں یا نہیں اور صرف ملاقات کرنا چاہتے ہیں یا کچھ اور۔ میں نے کہا کہ اُن میں سے ایک نے مجھے بتایا تھا کہ جس موضع میں وہ رہتے ہیں کوئی شخص ایسا نہیں کہ اُن کو مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق کچھ بتا سکے اور

آپ کی آمد کا موقع غنیمت جان کہ یہ لوگ حاضر ہوئے ہیں کہ اپنی تسلی کے لیے مسلمانوں کی سیاست کو آپ سے سمجھ سکیں۔ قائدِاعظم یہ سن کر باہر نکل آئے اور اُن لوگوں سے مصافحہ کیا اور تقریب دو ڈھائی گھنٹے باتیں کیں اور اُن کو پاکستان کے مختلف پہلو سمجھاتے رہے۔ (مطلوب الحسن سیّد)

## ایک ملازم کا تجزیہ

فقیر محمد

مجھے یاد نہیں کہ قائدِاعظم کے گھر پر ملازمت کے دوران میں کبھی مجھ سے بدسلوکی کی گئی ہو یا میری توہین ہوئی ہو یا خوراک اور کپڑوں کے معاملے میں مَیں تنگ ہوا ہوں۔ کام ہلکا تھا اوقاتِ کار مقرر تھے۔ اور رہائش آرام دِہ تھی۔ جب مجھے قائدِاعظم کی خدمت میں آٹھ مہینے ہو گئے تو عبدالحئی واپس آگیا اور مس فاطمہ جناح سے بحالی کی درخواست کی۔ پہلے انھوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا: "فقیر محمد بڑا مستعد ہے اور عمدہ کام کر رہا ہے"، لیکن اُن کی بوڑھی آیا نے عبدالحئی کی سفارش کی اور اُس کی سابقہ طویل ملازمت کے پیشِ نظر اُسے دوبارہ ملازم رکھ لیا گیا۔ مسٹر جناح نے مجھے بلا بھیجا اور فرمایا:

"میں آپ جیسے اچھے آدمی کو فارغ نہیں کرنا چاہتا۔ دہلی میں میری کوٹھی پر چلے جاؤ، اور وہاں رہو۔ ایک مالی، چوکیدار اور ایک کار وہاں موجود ہے۔ ہر ماہ آپ کو تنخواہ مل جایا کرے گی اور جب کبھی میں دہلی آوں گا، صرف اُس وقت تمھیں کام کرنا ہوگا۔" کاش! مَیں نے یہ پیش کش قبول کر لی ہوتی!

## تعلیم کے لیے عطیہ مت لو، پہلے کما لو پھر پڑھو

محمد نعمان

۱۹۳۸ء میں مَیں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کا قصد کیا۔ گذشتہ دو تین سال میں مَیں نے اپنا بہت سا وقت طلبہ میں بیداری پیدا کرنے پر صرف کیا تھا اور اِس سے مجھے تجربہ حاصل ہوا تھا۔ لیکن میری تعلیم ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔ میں نے مسٹر جناح کو بتایا کہ میں نے ریاست حیدرآباد کی حکومت سے ایک عطیے کے لیے درخواست کی تھی تاکہ مَیں اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جا سکوں مگر انھوں نے اِس سے اتفاق نہ کیا اور یہ مشورہ دیا کہ مجھے اِس مقصد کے لیے پہلے خود روپیہ کمانا چاہیے۔ اُن کی تجویز یہ تھی کہ مسلم لیگ کی تاریخ پر ایک مفصل کتاب لکھ ڈالوں اور اُس کی آمدنی سے انگلستان جا کر اپنی تعلیم مکمل کر دوں۔ میں نے یہ تجویز مان لی۔

پھر اس کتاب کی تصنیف میں انھوں نے میری مدد بہت کی۔ تمام ضروری کاغذات انھوں نے مجھے دے دیئے اور اس کام میں اپنا بہت سا وقت میرے ساتھ صرف کیا۔ انھوں نے جس صبر و تحمل سے میری مدد کی اس کی مجھے کبھی توقع نہ تھی۔

# نقلی جناح

سعید عباس

۳۸-۱۹۳۷ء میں میں نے پہلی مرتبہ مسٹر جناح کو الٰہ آباد میں دیکھا۔ میں اُس وقت یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا اور دوسرے مسلمان نوجوانوں کی طرح میں بھی اُن کو ہندی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا قائد سمجھتا سمجھتا تھا۔ ہندو طلبہ بھی اُن کا بہت احترام کرتے تھے اور انھیں جنگِ آزادی کا مجاہد سمجھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جناح کو کوئی طاقت کسی قیمت پر خرید نہیں سکتی۔ اُس وقت تک انھیں یہ امید تھی کہ شاید بالآخر جناح 'فرقہ پرستی' چھوڑ کر ہندوستانی قوم پرستی کے مسلک کی طرف مراجعت کرلیں گے۔ الٰہ آباد میں جناح کا شاندار استقبال ہوا۔ اور اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اِس سے پہلے کبھی کسی سیاسی رہنما کو ایسا زبردست استقبال نصیب نہ ہوا تھا حتّٰی کہ گاندھی کو بھی نہیں۔ ریل کی پٹڑیوں اور پلیٹ فارم پر اِس قدر خلقت جمع تھی کہ مسٹر جناح کی ٹرین کو دو گھنٹے تک اسٹیشن سے کچھ دور ٹھہرنا پڑا۔

میں نے اور دوسرے مسلمان طلبہ نے اِس سے پہلے مسٹر جناح کو نہیں دیکھا تھا۔ ہم نے صرف اُن کے متعلق قصے سنے تھے مثلاً یہ کہ وہ ہمیشہ مغربی وضع کا اور نہایت اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے ہیں اور اپنے مزاج اور عادات میں بالکل انگریزوں کی طرح ہیں۔ جیسے ہی ریل اسٹیشن میں داخل ہوئی ہم مسٹر جناح کا استقبال کرنے اور انھیں ہار پہنانے کو لپکے۔ ٹرین رکی تو ہم نے ایک ڈبے کا دروازہ کھولا۔ اندر ہمیں ایک نہایت خوش پوش شخص دکھائی دیا جو نیلی سرج کا سوٹ پہنے تھا اور گلے میں سخت سفید کالر لگائے تھا۔ ہم اپنے گجرے لیے اُس کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ بے چارہ گھبرا کر بولا: "میں مسٹر جناح نہیں ہوں۔" مگر مجھے یقین نہ آیا اور میں نے کہا: "جناب آپ تکلف کر رہے ہیں۔"

ہم اُس شخص کو اپنے کندھوں پر بٹھانے والے ہی تھے کہ کچھ دور سے محمد علی جناح زندہ باد کے

نعرے بلند ہوئے اور پھر ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب ہم نے اصلی مسٹر جناح کو دیکھا۔ وہ دبلے پتلے اور دراز قامت تھے اور اُن کا جسم نازک تھا۔ نفاست تو اُن پر ختم تھی۔ اِس کے بعد ہم نے کبھی مسٹر جناح کو پہچاننے میں غلطی نہیں کی اور اُن کی شخصیت کا یہ نقشِ اوّل ہمیشہ کے لیے ہمارے دلوں میں بیٹھ گیا۔

## گاندھی جی کی جے

سعید عباس

الٰہ آباد یونیورسٹی میں جو معرکہ آرا تقریر انھوں نے کی اُس کے دو حصے اَب تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ انھوں نے فرمایا: "حضرات! اگر میں اپنے فرقے کی حالت سدھارنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں اور اُن کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی ترقی کے لیے کوشاں ہوں۔ تو کیا یہ فرقہ پرستی ہے؟ اگر فرقہ پرستی یہی ہے تو مجھے اِس فرقہ پرستی پر فخر ہے"!

اِس پر سامعین نے تحسین کے زبردست نعرے بلند کیے۔ ساری تقریر کے دوران میں صرف ایک دفعہ کچھ ہندو لڑکوں نے خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے یکایک 'گاندھی جی کی جے' کا نعرہ لگایا۔ اُسے سن کر مسٹر جناح ایک لمحے کے لیے رک گئے اور جلسے پر سناٹا چھا گیا۔ پھر انھوں نے آہستہ سے کہا: "ضرور۔ میں تہ دل سے آپ کے ساتھ متفق ہوں۔ اِس میں کیا شک ہے کہ گاندھی ہندوؤں کے بہت بڑے رہنما ہیں"! اِس کے بعد تمام طلبہ، ہندو اور مسلمان دونوں آخر تک بالکل خاموشی سے تقریر سنتے رہے اور کسی نے خلل ڈالنے کی جرأت نہ کی۔

## بچّے کے لیے تحفے کی خرید

۱۹۳۹ء میں بلوچستان کے دَورے کے دوران میں قائدِاعظم کوئٹے کی جس کوٹھی میں مقیم تھے اُس کے مالک کی اہلیہ اُن دِنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"میرا چھوٹا بیٹا اُس وقت دو برس کا تھا۔ صبح کو اکثر وہ یہ کہتا ہوا جناح کے کمرے میں گھس جاتا اور دونوں دیر تک بات چیت کرتے رہتے۔ جب بھی مَیں بچے کو وہاں سے ہٹانا چاہتی تو جناح مجھے منع کر دیتے اور کہتے کہ بچے کو میرے پاس رہنے دو۔ انھوں نے اُسے بے شمار تحفے دیئے۔ اِن میں

چاندی کا ایک گلاس تھا جس پر اُن کی تحریر کا عکس تھا۔ ایک ہاتھی دانت کا چھلا تھا جس کے اندر تین چاندی کے بنے ہوئے کتے تھے، اور اُن کے اندر جھنجھنے تھے۔ ایک دن وہ اکیلے موٹر میں بیٹھ کر شہر چلے گئے۔ صرف گاڑی کا شوفر اُن کے ساتھ تھا، اور گھر میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں اور کیوں گئے ہیں۔ وہ مشہور آدمی تھے اور جہاں بھی جاتے لوگ اُن کو گھیر لیتے تھے۔ یہی اُس وقت بھی ہوا۔ موٹر رکتے ہی اُن کے گرد ایک بھیڑ لگ گئی۔ لوگوں کو راستے سے ہٹاتے ہوئے، وہ کھلونوں کی ایک دکان میں پہنچے اور دُکان دار سے کہا کہ "مجھے ایک جھولنے والا گھوڑا چاہیے"۔ غریب دُکان دار اِتنے بڑے آدمی کو اپنی چھوٹی سی دکان میں دیکھ کر متعجب ہوا ہوگا اور خود مجھے اُس وقت بہت تعجب ہوا۔ جب مسٹر جناح لکڑی کا گھوڑا لے کر گھر واپس آئے اور یہ تحفہ میرے بچے کو دیا۔"

## پاکستان کی مختصر ترین تعریف

مطلوب الحسن سیّد

جب ہم لوگ میسور سے واپس ہوئے تو موٹر سے سفر ہوا۔ قریب اَسّی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ جب آدھا راستہ طے ہو گیا تو ایک مقام پر ریلوے اسٹیشن پر طے پایا کہ چائے پی جائے اور ہم لوگ سب وہیں پر اُتر گئے۔ جیسے ہم لوگوں کی موٹر کار رُکی اور قائدِ اعظم نیچے اُترے۔ لوگوں نے اُن کو پہچان لیا اور مسلم لیگ زندہ باد اور قائدِ اعظم زندہ باد کے نعرے لگنے لگے۔ قریب ہی ایک سات آٹھ سال کا بچہ بالکل ننگ دھڑنگ کھڑا زور زور سے پاکستان زندہ باد کہہ رہا تھا۔ قائدِ اعظم نے اُس کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ اُن کے قریب آیا تو اُس سے پوچھا کہ "پاکستان کے نعرے لگا رہے ہو، پاکستان کیا ہے؟ کچھ اس کے بارے میں جانتے ہو؟" بچے نے کہا کہ "صاحب! میں اور تو کچھ نہیں جانتا۔ صرف اِتنا معلوم ہے کہ جہاں مسلمان ہوں وہاں مسلمانوں کی حکومت اور جہاں ہندو ہوں وہاں ہندوؤں کی حکومت ہونی چاہیے"۔ قائدِ اعظم بولے: "بس یہی تو ہے پاکستان"۔ پاکستان کی اِس مختصر سی تعریف سے قائدِ اعظم اِس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنی آئندہ تقریروں میں اِس واقعہ کا ذکر کیا۔

## اندر کا باہر کام

بولا یتھو

- جناح کی نئی کوٹھی میں اُن کا دفتر ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا جو سامنے کے پھاٹک کے قریب واقع تھا اور مکان کے رہائشی حصے سے بالکل الگ تھا۔ یہ دفتر ملنے والوں کے لیے کھلا رہتا تھا اور محمد علی جناح کے کاغذات، صاف ستھرے بستوں میں بندھے، فرش پر رکھے رہتے تھے۔ یہی دفتر گویا اُن کی دنیا تھا اور اِس کی میز کے کنارے اُن کی حدِ نظر تھے۔ اُن کا بیشتر وقت اِسی دفتر میں گزرتا اور وہ اُسی وقت اُس سے نکلتے جب انھیں باہر کا دورہ کرنا پڑتا۔ اُسی زمانے میں انھوں نے کئی بار ملک کے مختلف صوبوں اور علاقوں کا دورہ کیا اور ہر جگہ عوام سے براہِ راست خطاب کیا۔ اُن کے یقین کی پختگی سے اُن کی تقریروں میں جان پڑ جاتی اور غیر معمولی اثر پیدا ہو جاتا۔ دورانِ تقریر میں وہ اپنی شہادت کی انگلی کو بڑے موثر انداز سے استعمال کرتے، کبھی تنبیہ کے لیے، کبھی کسی بات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے۔ اور خاص خاص موقعوں پر وہ اپنا ایک چشمہ لگا کر اپنے اندازِ تخاطب کو زیادہ پُر اثر بناتے۔ اِس طرح وہ بڑے بڑے مجمعوں کو مسحور کر لیتے اور اکثر سامعین اُن کی باتوں پر آمنا صدقنا کہہ دیتے حالانکہ اُن میں سے بہت سے ایسے ہوتے جو مقرر کی زبان بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکتے۔

دورہ ختم کر کے محمد علی جناح پھر اپنے دفتر میں جا بیٹھتے اور کام میں لگ جاتے۔

## معیار سے گری ہوئی باتیں

مطلوب الحسن سید

بمبئی میں ایک دفعہ قائدِ اعظم کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ میں نے یہ سوچ کر کہ ملک میں اطلاع ہوتے ہی لاکھوں ہاتھ اُن کی طبیعت کی بحالی کے لیے اٹھ جائیں گے اخباروں کو اطلاع دینا چاہا۔ مگر میں ٹیلیفون پر یہ خبر نشر کر ہی رہا تھا کہ قائدِ اعظم نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ میں نے بغیر اُن کی اجازت کے اُن کی بیماری کی خبر کیوں شائع کی اور کہا کہ یہ بُری بات تو نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ ہماری قوم کو فضول تشویش ہو۔ کتنا فرق تھا اُن کے مزاج میں اور بعض اور لیڈروں کے طور طریق میں جب دوسروں کے متعلق چھوٹی بڑی معمولی اور غیر معمولی خبریں شائع ہوتی تھیں تو وہ کہا کرتے تھے "یہ تو معیار سے گری ہوئی باتیں ہیں"۔

## سخت اور مسلسل محنت کی عادت

بولا ئیتھو

پچاس برس پہلے جب وہ رسل روڈ لندن کے ایک مکان میں طالب علم کی حیثیت سے رہتے تھے، محنت اور یک جہتی میں بے مثل تھے۔ مطالعے کے علاوہ انھیں کوئی کام نہ تھا اور اولمپیا کی رنگ برنگی روشنیاں بھی انھیں عیش و عشرت کی طرف مائل نہ کر سکیں۔ اِس کا صلہ انھیں بھی ملا کہ انھوں نے بیرسٹری کا امتحان بہت ہی کم وقت میں پاس کر لیا۔ کسی ہندوستانی طالب علم نے اِس سے کم عرصے میں بیرسٹری کی سند نہیں لی تھی۔ سخت اور مسلسل محنت کی یہ عادت ساری عمر نہ چھوٹی اور اب چھیاسٹھ برس کے سن میں بھی وہ جوانوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے تفصیلی اور پیچیدہ منصوبے تیار کرتے اور پھر ضروری ہدایات، مختصر اور سیدھے سادے انداز میں لکھ کر لیگ کے کارکنوں کو بھیجتے، جیسے فوج کا جنرل میدان میں اپنے ماتحت افسروں کو احکام بھیج رہا ہو۔

## کمزور طبیعت کا فوجی

مطلوب الحسن سیّد

ایک بار ایک جگہ اُن کی دعوت تھی۔ صاحب خانہ کے فرزند فوج میں ملازم تھے۔ کھانے کے دوران اُن کے صاحبزادے نے قائد اعظم سے پوچھا کہ "قائد اعظم! کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پاکستان اقتصادی طور پر خود کفیل نہ ہو سکے گا۔" قائد اعظم نے پلٹ کر اُن سے سوال کیا: "آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ اِس غیر متوقع سوال سے کچھ گھبرا سے گئے۔ انھوں نے کہا کہ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ چونکہ قائد اعظم اِسے ممکن سمجھتے ہیں اِس لیے یہ ممکن ہو گا۔" اِس جواب پر قائد اعظم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انھوں نے کہا: "یہ بات غلط ہے میرے ممکن سمجھنے سے آپ کو کیا۔ آپ کو اپنی رائے دینا چاہیے۔ اگر میری فوج ہوئی تو میں آپ کی سی کمزور طبیعت کے آدمی کو اِس میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔"

## اخبار نویس اور قائد اعظم

بولا ئیتھو

جناح نے عوام کو خوش کرنے اور اُن میں ہر دلعزیز بننے کا گر کبھی نہ سیکھا۔ اُن کے دِل میں ہر دل عزیزی

کی کوئی قدر نہ تھی اور نہ وہ اِس کے لطف سے آشنا تھے۔ اخباری نمائندوں کے ساتھ ان کا رویہ اکثر اہانت آمیز ہوتا اور بمبئی کے اخباری دفتروں میں اس سلسلے میں بہت سے دلچسپ واقعات سننے میں آیا کرتے۔ تاہم اخبار نویس قائداعظم کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک پرانے صحافی نے اُس تاریخی دور کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا:۔

"انھوں نے کبھی ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنا کام نکالنے کی کوشش نہ کی۔ دوسرے سیاستدانوں کی نسبت وہ بڑے ٹیڑھے آدمی تھے اور ہمارے ساتھ تکبّر اور تنک مزاجی سے پیش آتے رہے۔ وہ پریس کانفرنس کے لیے اکثر ہمیں اپنے گھر بلاتے لیکن کبھی انھوں نے ہمیں چائے یا سگریٹ نہ پلائی۔ شاید وہ اِس قسم کی تواضع کو بھی ایک طرح کی رشوت سمجھتے تھے۔

ایک دِن بمبئی میں ایک پریس کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد مسٹر جناح کمرے سے باہر نکلنے والے تھے کہ میرے ایک ساتھی نے اُن سے ایک اور سوال پوچھ لیا۔ انھوں نے فوراً ڈانٹ کر جواب دیا: "کانفرنس ختم ہو چکی، اب آپ محض وقت ضائع کر رہے ہیں۔""

## جی، وہ احمق میں ہی ہوں

سرجن کمانڈر جال پٹیل

ستمبر ۱۹۴۴ء میں ایک روز مسٹر جناح نے مجھے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ وہ اپنا معائنہ کرانا چاہتے ہیں میں نے اُن کا معائنہ کیا۔ وہ بہت نحیف اور کمزور تھے اور میں نے انھیں آرام کرنے کی ہدایت کی۔۔۔ میں نے اُن کو کیلشیم کے ٹیکے لگائے، کچھ مقوّی دوائیں تجویز کیں اور بجلی سے اُن کا علاج کیا۔ اِس سے اُن کی کھانسی بہت کم ہو گئی اور پھر وہ آرام کرنے کے لیے کسی پہاڑی مقام پہ چلے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کا وزن اٹھارہ پونڈ بڑھ چکا تھا۔ اُن کی صحت یابی کی خبریں اخباروں میں چھپیں اور اُن میں میرا نام بھی آیا۔ انھیں پڑھ کر میں مسٹر جناح کے پاس گیا اور اُن سے کہا: "دیکھیے! کسی احمق نے میرا نام بھی اخباروں میں چھپوا دیا" اِس پر انھوں نے جواب دیا: "جی، وہ احمق میں ہی ہوں۔ جس شخص نے میری اتنی خدمت کی اُس کا شکریہ میں کیونکر نہ ادا کرتا!"